انکار حدیث (ایک من گھڑت نظریہ)

مترجم: أبوار قم

خصوصی کاوش: آفتاب

Beacon of Knowledge

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مغربی دنیا مسلسل اسلام کی ترقی اور تقریباً چار دہائیوں پر مشتمل اس کی نشاۃ ثانیۃ کی تحریک اور عزائم سے خطرات محسوس کر رہا ہے۔ یورپی دنیا میں بالعموم، اور امریکہ میں بالخصوص تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک اس بات پر ریسرچ اور سروے کر رہے ہیں کہ کس طرح اسلام کی اس ترقی کے آگے بند باندھا جائے یا پھر اس کی پھیلاؤ کو کم از کم حد تک محدود کر دیا جائے۔ مغرب کی اسلام دشمنی کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسلام واحد وہ اصولی مذہب ہے جو اسلامی دنیا میں مغرب کی لالچی نگاہوں اور مفادات پر کاری ضرب لگا سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسلام میں یہ صلاحیت بھی ہے کہ وہ مغربی دنیا سے انسانیت کی قیادت کا تاج بھی چھین سکتا ہے۔

اس لئے ان کی طرف سے مختلف عنوانات کے تحت اسلام اور اسلامی تعلیمات پر مسلسل حملے جاری ہیں، خاص کر آخری چند سالوں میں ان حملوں میں تیزی کا آنا حق و باطل کے درمیان ایک پرانی کشمکش کا آغاز ہے جسے یورپ از سر نو تازہ کر رہا ہے۔

۱۹۹۰ میں سویت یونین کی شکست وریخت کے بعد امریکہ بزعم خود تن تنہا سپر پاور کیا بنا کہ اس وقت سے اسلامی دنیا کو مسلسل خونچکاں جنگوں اور تعلیمی اور فکری محاذوں پر حملوں کا سامنا رہا ہے، بوجہ اس کے کہ سویت یونین کی شکست کے بعد یورپ نے اسلام اور اسلامی دنیا کو اپنا واحد حریف سمجھ لیا۔ اور حقیقت میں بھی اسلام ہی واحد ازم ہے جو یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کا صحیح معنوں میں مقابلہ کر سکتا ہے، کیونکہ روس کا اشتراکی نظام فطرت کے خلاف اور انسانی وجود کے حقیقی تقاضوں کا منافی تھا، جبکہ اس کے مقابلے میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی عقل سے ہم آہنگ، فطرت کے عین مطابق، حیات انسانی کو عدل وانصاف سے بھرنے والا، انسانی دلوں کو سکون واطمینان مہیا کرنے والا دین ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے اصولوں اور اس کے مجرم نظاموں کو تہس نہس کرنے پر قادر ہے۔ آج بھی اسلامی نظام میں قدرت نے اتنی طاقت رکھی ہے کہ وہ امریکہ کو اس کے عالمی پوزیشن سے ہٹا کر اس کی سیاسی، ثقافی اور اقتصادی برتری کو ختم کر سکتا ہے، اور مسلمانان عالم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے انہیں ان کا کھویا ہوا مقام دلا سکتا ہے، خاص کر اس تناظر میں کہ امت مسلمہ روئے زمین پر وہ واحد ملت ہے جس کے پاس صحیح ترقی کی بنیادی ضروریات اور مادی ترقی کے اہم عناصر دستیاب ہیں۔

اس لئے اگر اس زمانے میں (جس میں دنیا کا کلی دار ومدار امت مسلمہ کے ذخائر اور قدرتی وسائل پر ہے) امت مسلمہ بیدار ہو جاتی ہے تو بلاشک وشبہ یورپ اپنی اس مادی طاقت کے ذرائع کھو دے گا جس طاقت کے بل بوتے پر وہ اپنا عقائدی، اخلاقی اور تہذیبی بگاڑ چھپا رہا ہے، جس کا پھر لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ مادی طاقت اور تہذیبی روشنی کا پلڑا مسلمانوں کے حق میں جھک جائے گا۔

اس لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ خود مسلمانوں میں ہی سے چند افراد کے ہاتھوں اسلام کے اصول اور ارکان کو ڈھانے کے ذریعہ اسلام کو معروضی حقائق کے مطابق بنانے، اس کی حقیقی روح سے اس کو خالی کرنے، اور اس کو زندگی سے کاٹ کر ایک محدود دائرے میں سمیٹنے پر کام کیا جائے (یعنی "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کی پالیسی پر عملدرآمد

Beacon of Knowledge

کرے) اس لئے انہوں نے اپنے ماتحت مطالعاتی اور تحقیقی اداروں کو ذریعہ پوری توجہ اس بات پر مرکوز کی کہ کس طرح اسلام کو سیکولر بنانے اور مسلمانوں کو ان کے دین، سوچ اور طرز زندگی میں "امریکی" بنانے، اور ان کے عقیدے کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنے کے لئے ضروری تدابیر اور پالیسیاں وضع کی جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مکر وفریب اور سازشی چالوں میں اپنی بھرپور صلاحیتیں صرف کیں، بہت سے افراد بھرتی کئے جو مسلمانوں کو ایک بے فائدہ اور بے نتیجہ بحث میں الجھائیں، تاکہ مسلمان آپس میں ہی دست وگریباں رہیں، اپنے لوگوں اور اپنی تہذیب سے خود ہی لڑ کر ان کی توجہ اپنے حال اور مستقبل کو سنوارنے، ترقی اور اپنے پیغام کو پھیلانے سے ہٹی رہے۔ اس کے لئے نوجوانوں کو بطور خاص نشانہ بنایا، جس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں، ایک یہ نوجوان کسی بھی معاشرے کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ہوتا ہے، دوسرے نمبر پر یہ کہ ان کے خیال میں نوجوانوں کا حرام کاموں میں مبتلا ہونا، شہوتوں کے پیچھے پڑنا اور مغربی ثقافت کی دلدل میں دھنسنا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔

یہ بات اس وقت کھل کر سامنے آئی جب مسلم نوجوانوں کا ایک طبقہ ان بے دین اور گمراہ لوگوں کی افکار سے متاثر ہوا جن لوگوں نے امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کے لئے (بالخصوص امارات میں) اپنے ضمیروں کا سودا کیا، جن کی مدد کرنے اور انہیں اپنانے کی امریکی ادارے "رانڈ" نے تجویز دی تھی۔ انہیں لوگوں نے امریکی ادارے "آگہی اور تبدیلی" (Awareness and Change) کی مدد سے "جدت پسندی"، اسلامی ورثہ کی تطہیر، اور اسلام کی جدید تعبیر کے نام پر تخریب کاری اور ہنگامہ آرائی کا علم اٹھا رکھا ہے۔ نیز اسی مؤخر الذکر ادارے نے ہی غیر عربی بولنے والوں کے لئے ان لوگوں کی افکار کے ترجمہ اور نشر واشاعت اور ترویج کا بیڑا اٹھایا ہے۔

Beacon of Knowledge

جب نبی کریم ﷺ کی سنت طیبہ (قول، فعل اور رسالت سے متعلق معاملات کی سکوت کے ذریعہ اجازت دہی) قرآن کریم کی طرح وحی ہی ہیں، جس کے ذریعہ قرآن کریم کی وضاحت ہوتی ہے۔ نیز جب یہ بات طے ہے کہ سنت مطہرہ کے وحی ہونے اور اس کو فہم قرآن کا ذریعہ بنانے کا انکار اور اس کی روایات وشخصیات میں شک پیدا کرنے کا لازمی نتیجہ دین اور سلطنت کا رشتہ توڑنا ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ بلکہ مزید برآں اسلام کی ایک منظم تعبیر اور تفہیم کا راستہ بند کرنا ہے، اسی لئے ان لوگوں نے اپنے زہریلے تیروں کا رخ سنت طیبہ کی طرف کیا، جس کے لئے انہیں سہارا مستشرقین، یورپ کے روشن خیال فلاسفہ، اور مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کے افکار سے ملا۔

نیز چونکہ استشراق مسلم دنیا میں سامراج اور مسیحی تبلیغ کے لئے ایک پل کا کردار ادا کرتا تھا، اس لئے کینہ وروں، کرایہ کے ٹٹوؤں اور جاہل لوگوں نے سنت نبویہ ﷺ پر اعتراضات کے سلسلے میں شاذ افکار اور گولڈ زیہر جیسے مستشرقین کے اعتراضات کا سہارا لیا۔ جس نے یہ باطل نظریہ پیش کیا تھا کہ سنت مطہرہ دراصل مسلم علماء کی خود ساختہ باتیں ہیں (والعیاذ باللہ) نیز انہوں نے ہی مسلم ائمہ کی امانت ودیانت میں شکوک وشبہات پیدا کئے، ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ بادشاہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے احادیث بناتے تھے (جیسا کہ زہری کے اور خلیفہ عبد الملک بن مروان کے بارے میں ہے) یہی وہ اعتراضات ہیں جو مستشرقین کے تابع حضرات کی طرف سے بار بار پیش کئے جاتے ہیں۔

سنت مطہرہ پر حملوں کا پس منظر:

اس بات پر مزید ثبوت کہ سنت مطہرہ پر اس حملے کو مسلم دنیا میں امریکہ کی سیاسی پالیسی سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے (جن پالیسیوں میں بنیادی طور پر سیکولر آمریت کی مدد، دہشت گردی کے نام پر اسلام کی مخالفت، حکام کو نصاب تعلیم میں تبدیلی پر آمادہ کرنا، اور "جدت پسندی"، دین کی جدید تفہیم و تشریح، اور اسلامی ورثہ کی تطہیر کی طرف دعوت شامل ہیں) یہ ہے جو دین میں تحریف کرنے والے ایک جدت پسند نام نہاد مسلمان محمد شحرور (جس کے لئے خوب ترویج کی گئی ہے، منبر و محرب کے دروازے کھولے گئے، اور اس کے ذریعہ سے مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں زہر گھولا گیا) کے فیسبوک پر نشر کئے گئے ایک مضمون میں ہے کہ "جدید تحقیق کے نتیجے میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دین کو سلطنت اور حکومت سے الگ کیا جاسکتا ہے، اگرچہ معاشرے سے اس کو الگ نہیں کیا جاسکتا ہے"۔ مزید لکھا ہے کہ "رہی بات سنت نبویہ کی تو وہ محض دیوانی قانون کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں ایک جامع دائمی قانون کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ ہی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ہے جس کو وحی کی دوسری قسم کہا جائے"۔

اسی طرح اسلام پر حملے کے لئے سیاسی پلیٹ فارم استعمال کرنے اور جدید نصاب تعلیم کے ذریعہ سنت پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں کو اپنے دین سے متعلق جھگڑوں اور مباحثوں میں الجھانے کا وطیرہ بارک اوباما کے اس بیان سے بھی واضح ہے کہ "یہاں اب بھی ضرورت ہے کہ اسلام کا مجموعی طور پر جائزہ لیکر، اسلام کی اس تشریح کے چیلنج کا سامنا کرنے اور اس تشریح کے مطابق اسلام کو معاشرے سے الگ تھلگ رکھنے پر کام کیا جائے، اور خود مسلمانوں کے معاشرے میں اس طرح کی سرگرمیاں شروع کی جائیں جن کے ذریعہ اسلام پر ایک پر امن اور ماڈرن معاشرے کے حصے کے طور پر عملدر آمد کیا جاسکے۔" گولڈ برگ (اقوام متحدہ میں امریکہ کا چھٹا سفیر) کہتے ہیں کہ "دنیا کے دوسرے سربراہوں کے ساتھ خاص ملاقاتوں میں اوباما نے اس پر بہت بحث کی کہ اسلامی دہشتگردی کا اس وقت تک جامع حل پیش نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اسلام کو جدت پسندی سے ہم آہنگ کرکے اس میں وہ تبدیلیاں جاری نہیں کی جاتیں جو مسیحیت میں جاری ہوئی تھی۔"

مزید وضاحت کے لئے ایک ویب سائٹ کی پروفائل میں لکھی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں کہ "انٹرنیشنل قرآنی سینٹر کی انتظامی مجلس مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے ممبرز پر مشتمل ہے۔ سینٹر تمام روشن خیال ممبر کو خوش آمدید کہتا ہے (خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو) کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اسلام کی از سر نو اس طرح تشریح پر کام کریں جس کی رو سے اسلام دیگر بڑے عالمی مذاہب کے ساتھ اقدار میں برابر کا حصہ دار ہو، اور جس کی رو سے ایک ایسے عقائدی نظام کے طور پر ابھرے جو ایک جمہوری دنیا میں لبرل اصولوں کی پاسداری کرتا ہو۔ اسی طرح یہ مرکز اسلام کے بنیادی اصولوں میں ہر قسم کے گمراہ کن افکار کی مذمت کرتا ہے، جو ان لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے جو دلوں میں بغض و نفرت کے بیج بوتے ہیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں تحریف کرتے ہیں۔"

اسی سینٹر کی ویب سائٹ پر سینٹر کے اغراض و مقاصد سے متعلق مزید تحریر ہے کہ:

Beacon of Knowledge

۱۔ جمہوریت اور انسانی حقوق کی بنیاد پر عالم اسلام میں پر امن اصلاح کی تائید اور مدد اور اس کے لئے عملی منصوبہ بندیوں کی تجاویز پیش کرنا۔

۲۔ قرآن کریم کے وسیع الذہن علماء کو انٹرنیٹ پر یکجا کر کے ان کو انفرادی میٹنگ کی دعوت دینا، تاکہ ان کے ساتھ ایسی تحقیقات پر تبادلہ خیال کیا جائے جن میں اسلام اور جمہوریت ہم خیال ہیں۔

۳۔ ہر طبقے اور ہر فرقے کے مسلمانوں کو عالمی جمہوریت کی قیمت سے مطلع کرنا۔

۴۔ مذاہب کے درمیان حقیقی مکالمے کے آغاز کے لئے اقدام اٹھانا، جس میں مسلمان، یہودی، عیسائی اور دیگر ان مذاہب کے لوگ ہوں جو رواداری اور انصاف کی بنیاد پر معاشرے کے قیام پر یقین رکھتے ہو۔

۵۔ امریکہ میں مسلمانوں کو اسلام کی ایسی تفہیم و تشریح سے آگاہ کرنا جو امریکی جمہوریت کے ساتھ چل سکے۔

اسی طرح جدید روشن خیال اور جدت پسندی اور اسلام کی جدید تشریح کے داعی بالکل وہی روش پر چلے ہیں جو مستشرقین اور سیکولر لوگوں کا ہے۔ اور دین اسلامی سے کھیلنے اور اس میں تحریف کرنے کے سلسلے میں انہیں کے راستے کی اتباع کی اور ان کی طریقوں کی پیروی کی۔

اسلام کو اپڈیٹ کرنے کے حوالے سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی فکر کو کسی بحران کا سامنا ہے بایں طور کہ خود اس کے ذرائع اس کی تشریح اور تفہیم پر قدرت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے اس کے اصول اور مرکزی خیالات کو اپڈیٹ کرنا ضروری ہو جائے؟ یا یہ کہا جائے کہ اس معاملے کا تعلق اسلام کی فکر اور اس کی تشریح کے ذرائع کے بجائے ایک ایسی تہذیبی چیلنج سے تعبیر کیا جائے جس میں مادی طاقت سے لیس ایک غالب فکر کے ساتھ اس کی ہم آہنگی زیر بحث لائی جائے؟۔

Beacon of Knowledge

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ نہ اسلام میں ہے نہ اس کی تشریح اور تفہیم کے ذرائع میں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کے اصولوں میں خلجان اور پیچیدگی جاری اور ساری رہتی، یہ خاص عصر حاضر کے بجائے قرآن کریم کے نازل ہونے اور سنت نبویہ کے صادر ہونے کے وقت ہی ظاہر ہو جاتی۔ لہذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جدت پسندوں کی پریشانی در اصل اسلام کی ایک منضبط تشریح کے دائرہ کار میں ہے جس کی رو سے اسلام ایک کامیاب تہذیبی سانچے میں ڈھل کر اسلام کی شناخت کو کمزور کرنے اور اس کو مغربی تہذیب کے نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں کی راہ میں ایک چیلنج اور رکاوٹ بن سکتا ہے۔

اسلام اور کفر کے درمیان کشمکش کی حقیقت:

موجودہ مرحلے اور اس کے عوارض اور نتائج کی اہمیت کے باوجود، اگر امریکہ اور کافر یورپ کو ان کوششوں اور چالوں میں کامیابی مل جائے جو وہ امت مسلمہ کے خلاف کر رہے ہیں، تو اب بھی بہت سے مسلمانوں کو اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ یہ فکری کشمکش جو مسلمانوں اور کفری ممالک (جن کی سربراہی امریکہ کر رہا ہے) یہ زندگی اور موت کی کشمکش ہے، کیونکہ اسی کے نتیجے میں ایک ہی وقت میں امت مسلمہ کا ذاتی انجام اور علاقے میں کفری طاقتوں کی بالادستی کا فیصلہ طے ہو گا، بہت سارے لوگ

جن کو اس بات کا ادراک ہے وہ پھر بھی ایک تماشائی کے طور پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف وہ خون ریز کشمکش ہے جو یورپ نے امریکہ کی سربراہی میں تین دہائیوں سے مسلم امت پر مسلط کی ہے، دوسری طرف وہ سخت فکری کشمکش ہے جو ساری مسلم دنیا میں بپا ہے۔ یہ درحقیقت اسلام اور کفر کے درمیان کشمکش ہے، یہ امریکی بالادستی سے آزاد ہو کر اسلامی حکومت کے خواب دیکھنے اور علاقے میں امریکی بالادستی کو مضبوط کرنے اور مکمل مغربی تہذیب پھیلانے کے درمیان کشمکش ہے۔ جس کے ساتھ بطور خود یہ ہو جائے گا کہ اس کے ذریعہ سے اسلام کی ان افکار اور نظریات پر ضرب پڑ جائیگی جس نے یورپ کی نیند حرام کی ہوئی ہے اور امریکہ کو اس بات پر مجبور کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے جگر گوشوں اور اربوں ڈالر کو اس آگ میں جھونک دیا ہے، تاکہ ان کی پاؤں میں زنجیر ڈالی جائے، ان کی ثقافت مٹا کر مغربی تہذیب کو اس کی جگہ جاری کیا جائے۔ جی ہاں کشمکش کا یہی ایک میدان ہے کوئی دوسرا میدان نہیں ہے، اور یہ اس کی تفصیلات، اس کے مقاصد اور نتائج ہیں۔

اس لئے سنت کی حجیت کی نفی، اور اسلام کو زندگی سے کاٹ کر یہودیت اور نصرانیت کی طرح محض ایک عقیدے تک محدود رکھنے کے لئے سیاست کو اسلام سے نکالنے کی جو فکری لہر آج کل امت مسلمہ کے ماحول میں چل رہی ہے یہ درحقیقت گریٹر مشرق وسطیٰ کے پروجیکٹ کا حصہ ہے اور اسلام اور مغرب کے درمیان جاری کشمکش کا ایک حصہ ہے۔

نیز یہ بات بلاشک وشبہ واضح ہوگئی کہ خود ساختہ جدید تحقیقات، ''اسلامی ورثہ کی تطہیر''، اور ''دینی بیانئے کی تجدید'' کے نعرے دراصل دین کو زندگی سے جدا کرنے کی کوششوں کو شرعی ثبوت دینا ہے، اور مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے ذہنوں میں مغربی افکار اور مغربی اقدار کو راسخ کرنا ہے، اس لئے ہمیں نظر آتا ہے کہ کبھی یہ لوگ صریح انداز میں جمہوریت اور دین کو زندگی سے جدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں، کبھی یہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ان کی بنیادی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسلام کو اسی رنگ میں ڈھالا جائے جس رنگ میں اسلامی حکومتیں اور انٹرنیشنل نظام قائم ہیں، جس سے ایک بار اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس طبقے کو اسلام پر کاری ضرب لگانے اور اس کے اصول وارکان کمزور کرنے کے لئے تشکیل دیا گیا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اچھی نیت سے یہ کر رہے ہیں یا بری نیت سے۔

اسی سے ان کی دعوت اور گریٹر مشرق وسطیٰ کے درمیان تعلق کی نوعیت بھی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ اسلام کے بارے میں عمومی آگہی سے لوگوں کی رائے عامہ بنی ہے، جو کہ گزشتہ صدی کی اسی کی دہائی سے لیکر آج تک چلی آرہی ہے۔ لہذا بغیر کسی شک اور بحث مباحثے کے ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو گزشتہ چار دہائیوں سے جن جھٹکوں کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کی وجہ ان کے ذہنوں میں اسلام اور اس کی صلاحیت کے بارے میں بیداری پیدا ہوئی تھی اس میں شک وشبہات پیدا کرنا، اور اسلامی عقیدے کی سچائی، اور اس کے احکام میں اس بات کی صلاحیت کہ وہ مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل پیش کر سکے اس پر اعتماد کو متزلزل کرنا، تاکہ اس کے نتیجے میں اس مقصد تک پہنچا جاسکے کہ اسلام اور کفر کے درمیان قائم حدود کو زائل کیا جائے، اور ''اسلامی مملکت'' کے نظریئے کو جڑ سے اکھیڑا جائے جو نظریہ جہاد کے راستے سے اسلام کے اصولوں کو نافذ کرتا ہے اور اسے سارا عالم تک پہنچاتا ہے۔

Beacon of Knowledge

اس لئے آپ کو وہ نظر آتے ہیں کہ وہ "جدت پسندی" اور "ورثہ کی تطہیر" کے عنوان سے اپنی پوری کوشش اسلام کے قانونی اور تعلیمی سرمایہ پر حملہ آوری میں صرف کرتے ہیں۔ یہ سارے مشکوک نعرے جن کا ظاہر لالچ اور غیرت ہے، اور باطن دھوکہ دہی اور تحریف ہے ان کا مقصد اسلام کو معروضی حالات کے تابع بنانا ہے، اس لئے ان کے مشن کا مقصد وحی کا انکار کرنا، یا اس کی سپر میسی اور حکومت اور معاشرے کے ساتھ اس کے تعلق کا انکار کرنا ہے۔

لیکن یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم کو چونکہ اللہ تعالی نے یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے برعکس ایک امتیازی شان عطاء کی ہے کہ اعجاز کی وجہ سے اس کا بذات خود وحی ہونا، اور پھر نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت یقینی ہے، اس وجہ سے انہیں قرآن کریم کے انکار کی ہمت نہیں ہوئی، اس کے بجائے انہوں نے سنت نبویہ ﷺ کو اسلام کا ایک کمزور پہلو سمجھ کر اس کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سنت کی صحیح سمجھ کے معیارات کو پس پشت ڈال کر خود کو عربی زبان، شان نزول، فقہ اور اصول فقہ کے قواعد، اور تشریح کے دوسرے ذرائع کی پابندیوں سے خود کو آزاد کر لیا۔ اور غور و فکر کی چھتری تلے اپنی خواہشات کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے لئے راستہ انہیں اس خیال فاسد میں مل گیا کہ قرآن کریم کو کسی حدیثی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

آغاز اور بنیادیں:

Beacon of Knowledge

سنت مطہرہ پر حملہ آوری مسلمانوں کے لئے کوئی نیا معاملہ نہیں تھا، کیونکہ پہلے بھی بے دین اور زندیق لوگ سنت مطہرہ کے متعلق اس نوعیت کے شکوک و شبہات پیدا کر چکے تھے، جن کی اس وقت کے مسلم علماء نے بحث و مباحثہ کے ذریعے خوب تردید کر دی تھی۔ جس میں سے شاید سب سے نمایاں کام امام شافعیؒ کا ہے جنہوں نے اپنی دو کتابوں "الرسالۃ" اور "جماع العلم" میں ان سے مناظرہ کرنے والے کے شبہات کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے پہلے اور بعد کے علماء کرام نے بھی امت مسلمہ میں وقفے وقفے سے سر اٹھانے والے ان نعروں کا مقابلہ کیا ہے۔

اس کے بعد مستشرقین کا دور آتا ہے جنہوں نے خلافت عثمانیہ کے آخری دنوں اور اس کے سقوط کے بعد بے دین اور زندیق لوگوں کے شبہات جمع کر کے ان پر مزید شبہات کا اضافہ کیا اور پھر انہیں مسلمانوں کے درمیان خوب پھیلایا۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ اس کے ذریعہ دین پر مسلمانوں کے غیر متزلزل ایمان اور اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکے۔ شاید وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتے اگر اللہ تعالیٰ اس امت مطہرہ کی حفاظت کے لئے ایسے ربانی علماء کو تیار نہ کرتا جنہوں نے بروقت مستشرقین اور زنادقہ کے شبہات کا جواب دیکر اسلام اور اسلامی تعلیمات پر مسلمانوں کے ایمان اور اعتماد کو برقرار رکھا، جس کا نتیجہ عام عوام کی رائے میں مثبت تبدیلی کی صورت میں نظر آیا۔

اس کے بعد یورپی کافر (جو امت مسلمہ کو درپیش حالات اور تبدیلیوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا) نے ایک اور پلٹا کھایا اور مسلمانوں میں ایسے لوگ تیار کئے جنہوں نے زنادقہ اور مستشرقین کا علم اٹھایا، اور ان کے ذریعہ ایک نئے بھیس میں اسلام پر حملہ کیا، جس کا آغاز سنت مطہرہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے سے تھا، اور انتہاء وحی کی طرف رجوع سے انکار، اور قرآن کریم کی

اس طرح کی مختلف تشریحات پر ہو رہا تھا جن سے قرآن کریم کا مقام، اس کی عظمت اور امت مطہرہ کے لئے اس کی مرجعیت اور ضرورت کی نفی ہو رہی تھی۔

اس روش سے مغرب نے بالکل وہی چال چلی جو مستشرقین نے گزشتہ سے پیوستہ صدی کے آخر اور گزشتہ صدی کے شروع میں چلی تھی۔ تفہیم دین کے اس نئے اسلوب کی روشنی میں انہوں نے وحی سے ثابت شدہ شرعی احکام تک کو تبدیل کر دیا، جہاد کو ایک دفاعی جنگ کا نام دیا، سود اور خواتین کے لئے شرعی لباس اتارنے کو جائز قرار دیا، حدود کو معطل کر کے اللہ کے دین کو تبدیل کر دیا۔

اگرچہ اسلام کے بارے میں تھوڑی سی معلومات رکھنے والے شخص کے نزدیک یہ نعرے اور دعوے واضح طور پر کمزور اور باطل تھے، لیکن اس کے باوجود یہ ضروری بلکہ واجب تھا کہ ان پروپیگنڈوں کا خطرہ واضح کر کے اس دین کے احکام اور مقدسات کا دفاع کیا جاسکے جو کہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور بطور خاص عام مسلمانوں سے خیر خواہی کا لازمی تقاضہ تھا۔

اس لئے ہم غیر ضروری جزئی تفصیلات میں پڑنے کے بجائے اس مسئلے کی ان اہم بنیادوں پر بحث کریں گے جن کی بنیاد پر یہ لوگ قائم ہیں، کیونکہ جس بنیاد پر یہ لوگ اپنی پوری توجہ مبذول کرتے ہیں اس بنیاد کو گرانے کے نتیجے میں اس پر قائم شدہ باطل نظریات اور بوکھلاہٹیں خود بخود اپنے منہ کے بل گریں گے۔ لہذا چونکہ انکار سنت کا نظریہ ہی ان کے فلسفے کے لئے سنگ بنیاد اور ان کا اساسی نظریہ ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ سنت کی قانونی حیثیت اور حجیت کو دلائل سے ثابت کرنے کے ذریعہ ان کے باطل نظریئے کی بیخ کنی کی جائے۔

Beacon of Knowledge

قرآن کی آیات کریمہ کی تفہیم میں منکرین حدیث کا طریقہ کار:

حدیث کی حجیت اور اس سے متعلقہ دیگر مسائل ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں ان کا اسلوب اور شرعی دلائل کے ساتھ ان کے رویہ پر بحث کی جائے۔ وہ مسلمانوں کے ہاں تفسیر کے مروجہ مفہوم کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کریم کو تفسیر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم کی فہم میں ان کے طریقہ کار کا خلاصہ یوں نکالا جاسکتا ہے کہ وہ سب سے پہلے موضوع سے متعلقہ محکم اور متشابہ آیات کو جمع کر کے اجتہاد اور غور و فکر کے ذریعہ اس کی تفسیر کرتے ہیں، چونکہ قرآن کریم کی ایک مخصوص زبان ہے اس لئے وہ قرآن کریم کی تفسیر خارجی عوامل کے بجائے خود قرآنی متون سے ہی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ کسی مسئلے سے متعلق دلائل جمع کرنا اس مسئلے میں اجتہاد کا لازمی حصہ ہے، لیکن اس اجتہاد کو عقلی تقاضوں کے تابع بنانے میں تفسیر کا مقصد بالکل الٹ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے قرآن کریم کے ذریعہ لغت کی تشریح ہو جاتی ہے، نہ کہ لغت کے ذریعہ قرآن کریم کی (جو کہ تفسیر کا مقصود اصلی ہے)۔

حقیقت یہی ہے کہ اس انداز سے قرآن کریم کی تشریح ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس میں عقل کو (نہ کہ عربی زبان) متون کی احکام پر دلالت کرنے کے لئے پیمانہ اور معیار مقرر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں احکام کی دلیل عقل کی بجائے خود شریعت اور اس کے اصول ہیں۔ نیز احکام کے ثبوت پر متون (خواہ وہ پڑھی جانی والی ہوں یا سنی جانے والی) کی دلالت،

دلالت وضعیہ ہے نہ کہ عقلیہ، یعنی کلام کی معنیٰ پر دلالت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ کلام جن الفاظ سے بنایا گیا ہے ان الفاظ کے جو معنیٰ بنتے ہیں وہی اصل میں اس کلام کا مفہوم ہے، یہ نہیں کہ اس کلام کو عقل پر پرکھ کر اس کے کوئی معنیٰ نکالے جائیں۔

لہذا یہ طریقہ کار بغیر کسی شک وشبہ کے باطل ہے، کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جس کلام کو بولا یا لکھا جاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کو سمجھا جائے، سوائے کہ اس میں درج ذیل تین چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے، ایک خود وہ زبان جسے میں اس بولا یا لکھا گیا ہے، دوسرے نمبر پر اس کلام کے بولنے والے کی اصطلاح اور تیسرے نمبر پر خود اس کلام سے متعلق قرینے اور اس کا سیاق وسباق، یہی ساری تفصیل قرآن کریم پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

کیونکہ قرآن کریم کی تفسیر کا یہی مطلب ہے کہ اس کی ترکیبوں اور جملوں میں موجود مفرد الفاظ کے معنیٰ بیان کئے جائیں، پھر اس کی ترکیبوں اور جملوں کا ذاتی حیثیت میں مطلب بیان کیا جائے، پھر اس کی صحیح تفسیر کے لئے اس واقعی صورتحال اور موضوع کو سامنے رکھا جائے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم سمجھنے کا صحیح طریقہ کار:

قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ اسے عربی زبان ہی کے اعتبار سے سمجھا جائے، پہلے اس کے مفرد الفاظ کی اسی حیثیت میں تشریح ضروری ہے کہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں، پھر اس کے جملوں اور فقروں کو اس حیثیت سے دیکھنا ضروری ہے کہ وہ ایسے عربی جملے ہیں جو مفرد عربی کلمات پر مشتمل ہیں، پھر ان جملوں میں استعمال شدہ مفردات کے اندر تصرف کی صحیح صورتحال کو معلوم کیا جائے، پھر اس کے جملوں اور فقروں کو اس حیثیت میں جانچا جائے کہ وہ عربی کلام کے جملے ہیں۔ یعنی بطور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تشریح میں اس بات کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ یہ ایک عربی تصرف ہے جو پہلے عربی جملوں میں موجود عربی الفاظ میں کیا گیا ہے، پھر خود ان جملوں میں اس حیثیت سے کیا گیا ہے کہ وہ عربی زبان کے جملے ہیں، یا (مفردات کو نکال کر براہ راست یوں کہا جائے) کہ یہ ایک عربی تصرف ہے جو عربی جملوں میں اس حیثیت سے کیا گیا ہے کہ وہ عربی تراکیب اور جملے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر قرآن کریم میں تخاطب اور بات چیت کے طریقہ کار میں اس عالی ذوق کو معلوم کیا جائے جس پر قرآن کریم نازل ہوا ہے، بالخصوص جبکہ خود عربی زبان میں بھی تخاطب اور بات چیت کے عالی ذوق کا طریقہ رائج ہو۔

لہذا قرآن کریم کی صحیح سمجھ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ عربی زبان کی بنیاد اور قرآن کریم کے نزول کی حقیقی صورتحال کے مطابق اس کا تفصیلی علم اور ادراک حاصل کیا جائے، کیونکہ سارا قرآن کریم اپنے الفاظ اور جملوں میں عربوں کے الفاظ، تعبیرات وجملے، اور کلام سے ان کے مقاصد کے مطابق جاری ہوا ہے اور ایک بال کے برابر بھی وہ اس سے نہیں نکلا ہے۔ لہذا عربی زبان کے اس ادراک اور قرآن کریم کی حقیقی صورتحال جانے بغیر اس کی تشریح ممکن نہیں ہے، اور جس تشریح میں ان دونوں باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ کبھی بھی قرآن کریم کی حقیقی تفسیر نہیں ہو سکتی ہے۔

Beacon of Knowledge

اس بنیاد پر ایک بار پھر اس نکتے کا اعادہ کرتے ہیں کہ قرآن کریم چونکہ ایک عربی کلام اور عربی متون میں سے ایک متن ہے اس لئے اس کی تفسیر عربی زبان کے حساب سے اس کی عربیت کے صحیح ادراک پر موقوف ہے۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں اس کے کلام عربی ہونے کے شواہد موجود ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

{وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا}[1]

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو حکم بنا کر عربی زبان میں اتارا ہے،

{وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا}[2]

اور اسی طرح ہم نے اس (آخری وحی) کو عربی زبان میں (بشکلِ) قرآن اتارا ہے

تو یہ قرآن کریم کی معروضی حالت، حقیقت اور وہ چیز ہے جس پر زبان (یعنی الفاظ و معانی) کے اعتبار سے واقعی صورتحال منطبق ہوتی ہے۔

رہا اس کا موضوع جس پر وہ نازل ہوا ہے تو وہ درحقیقت بنی نوع انسان کے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبر نے پہنچایا ہے۔ لہذا اس میں رسالت سے متعلق تمام موضوعات (عقائد، احکام، خوشخبری اور دھمکی، عبرت و نصیحت کے لئے قصے اور واقعات، قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا بیان، تنبیہ کرنے کے لئے دوزخ اور شوق بڑھانے کے لئے جنت کا تذکرہ، سمجھنے کے لئے عقلی مسائل، عمل کے لئے حسی معاملات، ایمان کے لئے عقلی دلیل پر قائم غیبی معاملات) و دیگر ان تمام معاملات کا بیان ہے جن کا تقاضہ انسانیت کے لئے آئی ہوئی ایک عمومی اور جامع رسالت کرتی ہے۔

Beacon of Knowledge

اس موضوع کا صحیح علم اس وقت تک حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ خود پیغام لانے والے رسول کے ذریعہ نہ ہو ۔ بالخصوص اس تناظر میں جبکہ خود باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ قرآن رسول ﷺ کے اوپر اس کی قوم کی زبان میں نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے تا کہ وہ اس قرآن کو لوگوں کے لئے واضح کریں، ارشاد خداوندی ہے:

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ}[3]

ترجمہ: ور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ ان کے لئے (پیغامِ حق) خوب واضح کر سکے۔

نیز ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ}[4]

---

[1] [الرعد:37]

[2] [طٰہٰ:113]

[3] [ابراھیم:4]

اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تشریح قرآن کو نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تشریح "سنت" کے ذریعہ ہی کی ہے جو کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت سے ثابت شدہ اقوال، افعال اور تقریرات کا مجموعہ ہے۔

اس لئے قرآن کریم کے مفردات اور جملے، اس کے شرعی معنیٰ اور احکام، اور وہ نظریات جن کی ایک شرعی حقیقت ہے (یعنی وہ الفاظ کہنے والی کی کوئی اصطلاح ہو) ان سب چیزوں کے سمجھنے اور تشریح کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ اس کے لئے عربی زبان اور نبی کریم ﷺ کو تفہیم و تشریح کا واحد اور اولین ذریعہ بنایا جائے۔ نیز اس میں عقل کو بھی اس بات کی اجازت دی ہے کہ عربی کلام کی دلالت، کلام میں عربوں کے ہاں رائج تصرف کے مطابق اور نص شرعی (قرآن و سنت) میں وارد شدہ معانی شرعیہ جن پر الفاظ دلالت کرتے ہیں کے تحت ان شرعی متون کو سمجھے۔

کیونکہ الفاظ کو ان کے اصل لسانی مفہوم سے شرعی مفہوم کی طرف منتقل کرنے کی پہچان محض عقل اور لسانیات سے نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً "الصلوۃ" کا لفظ ہے کہ یہ اصل عربی زبان میں دعاء کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں اسے اس لفظی مفہوم کے علاوہ ایک اور مطلب کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی: وہ مخصوص اقوال اور افعال جو تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر نماز کے احکام معلوم کرنے کے لئے اس کے بارے میں قرآن کریم میں وارد تمام آیتوں کو جمع بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے نماز کا مکمل ڈھانچہ اور طریقہ کار معلوم نہیں کیا جا سکتا ہے، جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "سنت" قرآن کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔

Beacon of Knowledge

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز گزشتہ انبیاء کی شریعت کی میراث ہے (اس لئے اس کا طریقہ کار جاننے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہے) لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کی نماز کا طریقہ کار مسلمانوں کی نماز کے طریقے سے مختلف ہے، اسی طرح اس زمانے میں عربوں کی نماز کی ہیئت بھی مسلمانوں کی نماز سے مختلف تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

{وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً}[5]

ترجمہ: اور بیت اللہ (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس ان کی (نام نہاد) نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلام میں نماز قرآن کریم کے بغیر صحیح ہوتی ہی نہیں ہے، جبکہ عربوں کی نماز کا طریقہ کار قرآن نازل ہونے سے قبل سے چلا آرہا تھا جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں اور عربوں کی نمازیں مختلف طریقے سے ادا کی جاتی ہیں۔ (لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے نماز کے بارے میں قرآن کریم کے مجمل حکم کی تعمیل عربوں کے طریقہ

---

[4] [النحل:44]

[5] [الأنفال:35]

کار سے سیکھ کر کی) صرف یہی ایک بات ان لوگوں کی دلائل ملیامیٹ کرنے کے لئے کافی ہے، کاش کہ ان کی ہٹ دھرمی اور باطل پر ان کی ثابت قدمی رکاوٹ نہ بنتی۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی تفہیم اور تفسیر میں ان کے طریقہ کار سے قرآن کی سمجھ اور قرآنی احکام کی توضیح نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ اس کا نتیجہ قرآن کریم کی تحریف کی عبارتوں کے مطلب نکالنے میں تحریف کی صورت میں آتا ہے، جس سے خود بخود اسلام میں تحریف کا دروازہ کھلے گا، جو کہ سیاسی طور پر مطلوب ہے۔

منکرین حدیث کی تحریفات:

حدیث کو ساقط کرنے اور بے اعتبار قرار دینے کے لئے ان کے خطرناک اور خبیث تحریفات اور بہانوں میں سے ایک ان کا وہ منگھڑت نظریہ ہے جو انہوں نے "مقام نبوت" اور "مقام رسالت" میں فرق کی صورت میں ایجاد کیا ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے رسول اور نبی کی اطاعت میں تفریق کی ہے۔ تفسیر میں اپنے خود ساختہ طریقہ کار کی بنیاد پر یہ لوگ جو دعویٰ کر رہے ہیں شرعی نقطہ نظر سے وہ بالکل ہی درست نہیں ہے؛ کیونکہ "رسول" اور "نبی" ایک ہی ذات یعنی حضرت محمد ﷺ کی لازمی صفات کا نام ہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسالت وصول بھی کی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس رسالت کو پہنچانے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ لہذا حضرت محمد ﷺ بیک وقت نبی اور رسول دونوں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

{الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ}[6]

Beacon of Knowledge

ترجمہ: (یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر مِن جانبِ اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

یہ آیت اس سلسلے میں بالکل واضح ہے، کیونکہ اس میں اتباع کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی دونوں صفتوں میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کے بجائے نبی کریم ﷺ کی دونوں صفات "الرسول النبی" کی اتباع کی تاکید کی ہے۔ نہ تو اس میں ایک صفت کو چھوڑ کر دوسری صفت کو اتباع کا دار و مدار بنایا ہے نہ ہی نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات میں فرق کیا ہے جو آپ ﷺ نے بحیثیت نبی یا بحیثیت رسول ارشاد فرمائے ہیں۔ چونکہ "اتباع" میں بذات خود عاجزی اور تابعداری دونوں کے معنیٰ پائے جاتے ہیں جس سے شرعی احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے "طاعت" کا مفہوم لازمی طور پر نکلتا ہے، اس لئے ان دو صفتوں (نبی اور رسول) کو الگ الگ قرار دینے کے بجائے ان دونوں کی حیثیت سے دینی احکام میں آپ ﷺ کی اطاعت واجب ٹھہرتی ہے۔

طاعت اور اتباع کے لحاظ سے نبی اور رسول میں فرق کرنے کا من گھڑت نظریہ:

---

[6] [الأعراف: 157]

وہ بنیادی ذمہ داری جس کا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور رسولوں کو مکلف بنا کر بھیجا تھا وہ ایک ہی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین پہنچانا۔ اس کی دلیل درج ذیل آیات قرآنیہ ہیں:

{كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ }[7]

ترجمہ: (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہو گئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔

{ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا }[8]

ترجمہ: رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔

ان دونوں آیتوں کو اگر بغور دیکھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور رسولوں دونوں کی ذمہ داری تبلیغ دین تھی، کیونکہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا (النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ) جبکہ دوسری آیت میں یہی دونوں صفتیں رسولوں کے لئے ثابت کرتے ہوئے فرمایا (رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ) لہذا نبیوں اور رسولوں دونوں کی ذمہ داری ایک تھی یعنی دین کی تبلیغ، اس سلسلے میں خود آیات بھی واضح ہیں اور اس معنیٰ پر ان کی دلالت بھی بالکل عیاں ہے جس کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

Beacon of Knowledge

رہی بات نبی اور رسول کے درمیان فرق کی تو رسول وہ ہے جس کو وحی کے ذریعہ سے ایک شریعت بھیجی گئی ہو اور انہیں اس شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو، جبکہ نبی وہ ہے جس کو کسی اور رسول کی شریعت بھیجی گئی ہو اور انہیں اس دوسرے رسول کی شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو، یہ فرق باری تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

{ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ }[9]

ترجمہ: بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اس کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار (بندے) تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے اور اللہ والے (یعنی ان کے اولیاء) اور علماء (بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے)، اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر نگہبان (و گواہ) تھے۔

---

[7] [البقرة: 213]

[8] **[النساء: 165]**

[9] [المائدة: 44]

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء دوسروں کی شریعت کی تبلیغ، اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، کیونکہ تورات ابتدائی طور پر ان نبیوں پر نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور انہیں صرف اس کی تبلیغ کرنے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لہذا جب یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخصیت اس شریعت کی تبلیغ کرتی ہے جو شریعت ابتداء خود اس پر نازل ہوئی ہو تو وہ رسول ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں خود قرآن کریم میں ہے:

{ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا }[10]

ترجمہ: اور کتاب میں موسیٰؑ کا تذکرہ کیجئے بے شک وہ مخلص اور رسول اور نبی تھے۔

تو یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخصیت کو کسی دوسرے کی شریعت کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہو تو وہ نبی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ جنہوں نے اپنے بھائی کی شریعت کی تبلیغ کی، اور جیسا کہ وہ انبیاء جن کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۴۴ میں کیا گیا ہے، اس تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ اس حیثیت سے تو رسول تھے کہ ان کی اپنی شریعت خود ابتداء ان پر ہی نازل ہوئی تھی، پھر چونکہ آپ ﷺ کو اس شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا تو اس حساب سے آپ ﷺ "نبی" بھی تھے۔

یہی فرق ہے رسول اور نبی کے درمیان، جس کا تعلق ان کی ذمہ داریوں کے بجائے رسالت اور شریعت سے ان کے تعلق کے ساتھ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین پہنچانے اور طاعت کے واجب ہونے کے اعتبار سے رسول اور نبی میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ یہ فرق صرف اور صرف مبلغ کی وصف پر اسکی دلالت میں مضمر ہے کہ وہ رسالت اور رسول کے تابع ہوتے ہیں، حقیقت میں دونوں کی اصل ذمہ داری (یعنی تبلیغ دین) میں کوئی امتیاز نہیں ہے، لہذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپی ہو جو رسالت اولین طور پر خود اس شخص پر ہی نازل ہوئی ہو تو وہ رسول ہے، اور جس شخص کو کسی اور کی رسالت پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو وہ نبی ہے۔

اسی قرآنی جلوے کی روشنی میں ہم اس بات کا بخوبی ادراک کرسکتے ہیں کہ طاعت کا تعلق القاب سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ انبیاء اور رسولوں کو تبلیغ شریعت کی صورت میں ایک ایسی ذمہ داری سونپی گئی ہے جو لازمی طور پر اطاعت کا تقاضہ کرتی ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ ﷺ نے رسول ہونے کی حیثیت سے جو ارشادات فرمائے ہیں ان کی اطاعت ضروری ہے اور نبی ہونے کی حیثیت سے جو ارشادات ہیں ان کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت اور رسالت دونوں ہی ایک ایسی ذات کی صفات ہیں جسے رسالت کی ذمہ داری اٹھانے اور اس کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اور وہ ایک ذات ایسی ہے جو کہ طے شدہ اصولوں کے مطابق تبلیغ میں غلطیوں سے بالکل معصوم ہے۔

Beacon of Knowledge

[10] [مریم: 51]

یہی ایک بات اکیلے بھی نبی اور رسول کے درمیان اطاعت اور تبلیغ میں جدائی کے فلسفے کو توڑنے اور اس پر مبنی کنیسہ کی الہیات کے شعبے کی طرف سے نبی ﷺ کی شخصیت کی تقسیم اور ان کی رسالت کی سیکولرائزیشن کو ملیامیٹ کرنے کے لئے کافی ہے۔ نیز یہ رسول کی صفت کے ساتھ اطاعت کی صفت کی تخصیص اور امت کے بغیر صرف نبی پر شریعت پر عمل کرنے کو منحصر سمجھنے کی سوچ کو باطل کر دیتی ہے۔ کیونکہ نبی یعنی حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کی طرف سے شریعت پہنچانے والے رسول بھی ہیں، اور نبی علیہ السلام کو کسی بات سے مخاطب کرنے کا مطلب نبی ﷺ کی امت کو بھی مخاطب کرنا ہے۔

اس بات پر دلیل کہ شریعت کو نافذ کرنے کا تعلق صرف رسولوں کے بجائے رسول اور انبیاء دونوں سے ہے اور یہ کہ شریعت کا تعلق پوری انسانی زندگی سے ہے نہ کہ صرف انبیاء سے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے:

{كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ}[11]

ترجمہ: (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہو گئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔

Beacon of Knowledge

اس آیت میں صراحت کے ساتھ رسولوں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ نبیوں کا تذکرہ ہے اس آیت میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ رسالت کا تعلق صرف انبیاء کی ذات کے ساتھ انفرادی طور پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق فیصلہ کرنے اور معاشرے کی دوسری ضروریات سے ہے کیونکہ اس میں (لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں) کے الفاظ ہیں۔ اس سے اس بات کی بھی نفی ہوتی ہے کہ نبی الٰہی وحی سے ہٹ کر اپنی ذاتی وحی یا زمان و مکان اور معروضی صورتحال کی وحی کی بناء پر قانون بنانے میں آزاد اور خود مختار ہے، کیونکہ اس آیت (لیحکم بین الناس) میں "ضمیر" "کتاب اور اس میں موجود قانون کی طرف لوٹ رہی ہے (کہ وہ کتاب لوگوں کے مابین فیصلہ کرے گی) نیز اس سے اس باطل گمان کی بھی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خود رسول ہی شریعت ہے؛ کیونکہ یہ بدیہی ہے اور یہاں علامات بھی جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فیصلہ کرنے والا نبی ہے نہ کہ کتاب کے اوراق۔ مزید دلیل کے طور پر درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

{ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا }[12]

---

[11] [البقرة: 213]

[12] [النساء: 105]

ترجمہ:(اے رسولِ گرامی!) بیشک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے، اور آپ (کبھی) بد دیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنے والے نہ بنیں۔

کیونکہ اس آیت میں (بما أراک اللہ یعنی جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے) کے الفاظ بھی ہیں جو کہ صرف "الکتاب" کے مطابق فیصلہ کرنے سے زیادہ عام ہے کیونکہ یہ "الکتاب" کے ساتھ سنت پر بھی مشتمل ہے۔

رہا اللہ تعالی کا یہ فرمان مبارک:

{لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا}[13]

ترجمہ: تاکہ اے لوگوں تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور آپ ﷺ کی مدد کرو، اور آپ ﷺ کی بے حد تعظیم و کریم کرو، اور صبح شام اللہ کی تسبیح کرو۔

تو اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ خود رسول ہی رسالت ہے، کیونکہ کسی آیت کا مفہوم قرائن سے متعین کیا جاتا ہے خواہ وہ قرینہ خود جملے کی ساخت میں ہو یا جملے کے الفاظ میں ہو یا پھر دوسری آیت کی صورت میں ہو (مثلا: اللہ تعالی کا فرمان ہے: وأقیموا الصلاۃ یعنی نماز قائم کرو، اب اس میں امر یعنی حکم دینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ہمیں دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ یہاں حکم دینے کا جو لفظ استعمال ہوا ہے یہ واجب اور فرض کے معنی میں ہے کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالی نماز چھوڑنے پر سخت وعید دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

{مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (42) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ}[14]

ترجمہ: اور کہیں گے تمہیں دوزخ میں کیا چیز لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔

اس تفصیل کی روشنی میں جب ہم زیر بحث آیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں خود جملے کی ساخت اور دوسری آیات کے قرینے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس میں (تسبحوہ) میں ضمیر رسول کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے؛ کیونکہ تسبیح عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے اس قرینے کی بناء پر اس آیت میں "تسبیح" کا تعلق اللہ تعالی سے، جبکہ تائید اور عزت کرنے کا تعلق نبی کریم ﷺ سے ہے۔ یہاں سوال بجا ہے کہ نحو کا ایک قاعدہ ہے کہ جب ایک جملے میں کئی اسم ہو تو اس کے آخر میں آنے والی ضمیر کا تعلق یا سارے اسماء کے ساتھ ہو گا یا صرف اس اسم کے ساتھ ہو گا جو کہ آخر میں ہے، اس لحاظ سے چونکہ رسول کا نام آخر میں ہے اس لئے ضمیر رسول کی طرف ہی لوٹنی چاہئے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ فی نفسہ درست ہے لیکن اگر کوئی ایسی صورتحال ہو جس میں آیت میں اصل معنی سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو تو اس قرینے کی بنیاد پر اس نحوی قاعدے کو چھوڑا جا سکتا ہے، جس کی

Beacon of Knowledge

---

[13] [الفتح: 9]

[14] [المدثر:42،43]

خود قرآن کریم میں متعدد مثالیں ہیں، مثلا آیت کریمہ: {وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا }[15](جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھا تو اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے)اس آیت میں "تجارت" اور "لہوا" دو لفظ ہیں، آخر میں ضمیر آئی ہے جو "تجارت" کی طرف لوٹ رہی ہے، حالانکہ مذکورہ بالا نحوی قاعدے کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے یا دونوں کی طرف راجع کرتے ہوئے (الیہما) کہا جاتا یا صرف آخری اسم یعنی "لہو" کی طرف راجع کرکے (الیہ) کہا جاتا لیکن آیت میں اس قاعدے کو چھوڑتے ہوئے ان دونوں میں سے کوئی طریقہ استعمال نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تجارت کی اہمیت کی وجہ سے اس کی ضمیر لائی گئی ہے، یا اس وجہ سے تجارت کی ضمیر لائی گئی ہے کہ اسی آیت کے آخر میں (واللہ خیر الرازقین) فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والے ہیں، تو چونکہ رزق کا تعلق تجارت کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے تجارت کی ضمیر استعمال کرتے ہوئے (الیہا) فرمایا ہے۔ اس لئے ہر ضمیر میں اس کو دیکھا جائے گا کہ اس شخص کے مناسب فعل کونسا ہے اور قرینہ کیا کہتا ہے۔ زیر بحث آیت میں بھی چونکہ تسبیح کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لئے ضمیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائی جائیگی۔ قرآن کریم میں اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔ مثلا:

{ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ}[16]

ترجمہ: اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو، اور بیشک یہ گراں ہے مگر (ان) عاجزوں پر (ہرگز) نہیں (جن کے دل محبت الٰہی سے پُر اور خشیت الٰہی سے شکستہ ہیں)

Beacon of Knowledge

اور:

{وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا} [17]

ترجمہ: اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے یقیناً ایک بہتان اور کھلے گناہ (کے بوجھ) کو اٹھالیا۔

(یہ دونوں آیتیں مذکور یہ نحوی قاعدے کے برعکس ہیں۔)

اوپر ذکر کردہ تفصیلات کے علاوہ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ متعدد آیات میں حضرت محمد ﷺ کو رسول اور نبی دونوں کی صفت سے مخاطب کیا گیا ہے، مثلا:

{ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ }[18]

---

[15] [الجمعة:11]

[16] [البقرة:45]

[17] [النساء:112]

[18] [الأعراف:157]

ترجمہ: (یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر مِن جانبِ اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نورِ (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں o

{ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ } [19]

آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ جو (شانِ اُمّیت کا حامل) نبی ہے (یعنی اس نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں پڑھا مگر جمیع خلق سے زیادہ جانتا ہے اور کفر و شرک کے معاشرے میں جوان ہوا مگر بطنِ مادر سے نکلے ہوئے بچے کی طرح معصوم اور پاکیزہ ہے) جو اللہ پر اور اس کے (سارے نازل کردہ) کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکو

Beacon of Knowledge

یہ آیتیں اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی ہیں کہ "نبی محمد" بعینہ وہی ہیں جو "رسول محمد" ہیں؛ کیونکہ اس میں (ورسولہ النبی یعنی اللہ کا وہ پیغمبر جو نبی ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لئے شریعت میں "رسول" اور "نبی" میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر ان میں کوئی فرق ہے تو وہ صرف اس باطل نظریئے والوں کے ذہنوں میں ہے۔ ان آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ لوگوں کو دین پہنچاتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں برے کاموں سے روکتے ہیں، ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں، یہ سارے امور اتباع کا تقاضہ کرتے ہیں اور اطاعت، فرمانبرداری اور نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کو لازم قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی فرمایا: {وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ}

---

[19] [الأعراف:158]

نیز قرآن کریم میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں حضرت محمد ﷺ کو رسول اور نبی کے لاحقے کے بغیر براہ راست مخاطب کیا ہے جس کی وجہ سے وہ آیات نبی اور رسول دونوں کو جامع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے

الف: {وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (215) فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ}[20]

ترجمہ: اور اہل ایمان کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھئے۔ اور اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں ان کاموں سے بری ہو جو تم کرتے ہو۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے حکم نہ ماننے کو "عصیان" یعنی نافرمانی اور گناہ کرنے سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ بات خود بخود ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔

ب: {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا}[21]

ترجمہ: پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں

Beacon of Knowledge

اس آیت میں بھی حکم کا دار و مدار رسالت اور نبوت میں سے کسی ایک صفت پر نہیں رکھا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت سے حاصل شدہ حکم کا اطلاق نبی کریم ﷺ کی دونوں صفتوں پر ہو گا۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تنازعات کی صورت میں فیصلہ کے لئے نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کریں اور پھر نبی ﷺ جو فیصلہ فرمائے اسے مان لیں۔ چونکہ "مخاطبت" کو کسی ایک صفت کے ساتھ خاص کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یہاں اس طرح کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے اس حکم کو اس کی اطلاقی حالت پر برقرار رکھ کر یوں کہا جائے گا کہ رسول اور نبی دونوں صفتوں کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت واجب ہے۔

وہ آیات جن میں رسالت اور دعوت دین کو صرف "نبی" کی صفت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ آیت ہے کہ:

{يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا}[22]

---

[20] [الشعراء:215،216]

[21] [النساء:65]

[22] [الأحزاب:45،46]

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

چونکہ رسالت اور "شاہد" ہونے کا موضوع شریعت ہے جس سے (نبی ﷺ) کی اطاعت کا لزوم ثابت ہوتا ہے کیونکہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ "اولی الامر" یعنی ارباب اختیار کی اطاعت کی جائے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا}[23]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے

اس آیت سے نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور تنازعات تصفیے کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس لے جانے کا لزوم ثابت ہوتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین اور شریعت پہنچانے والے ہیں۔

Beacon of Knowledge

شریعت کی بالادستی کے وجوب اور اس کو رسول یا نبی کے لفظ کے ساتھ مخصوص نہ کرنے کی شاید واضح ترین دلائل میں سے ایک دلیل یہ آیت مبارکہ بھی ہے:

{ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ}[24]

ترجمہ: پھر اے پیغمبر ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلنا تو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

اس آیت میں خطاب نبی یا رسول کے لفظ کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ کسی قید کے بغیر مطلق انداز میں شریعت کی پیروی کرنے اور بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنے کی تاکید کی ہے۔ "اتباع" سے یہاں مراد عاجزی اور فرمانبرداری ہے اور "بے علم" لوگوں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو محدود عقل کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اسے قانون سازی میں اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ چونکہ عام طور پر نبی علیہ السلام کو جو خطاب ہوتا ہے امت کو بھی وہی حکم اور خطاب ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی ایسی دلیل نہ ہو جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ خاص نبی ﷺ کے لئے ہے۔ پھر حکم کا دار و مدار ایک صفت پر رکھنے اور دوسری صفت سے منفی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس لفظ کو ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لفظ کا

---

[23] [النساء:59]

[24] [الجاثية:18]

معنی اور مراد اس لفظ کی مراد کے مخالف ہو جو جس لفظ کو الفاظ میں ذکر کیا گیا ہو۔یعنی اس آیت میں چونکہ ''رسول'' کا لفظ موجود ہے اور ''نبی'' کا لفظ موجود نہیں ہے تو ان لوگوں کا مدعیٰ اس وقت ثابت ہو گا جب یہ ثابت کیا جائے کہ رسول اور نبی کے الفاظ کا مدلول اور مصداق ایک دوسرے کے ضد اور مخالف ہیں۔حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی تبلیغ کرنے کی صفت میں رسول اور نبی دونوں مشترک ہیں، اب اگر اس بنیاد پ رسول کی اطاعت کے ضروری ہونے کا حکم جاری کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام پہنچاتا ہے تو بالکل یہی صفت نبی میں بھی ہے کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتا ہے۔اس اعتبار سے معنیٰ میں دونوں لفظوں کے اتفاق سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں آیت کے مخالف مفہوم پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے (رسالت اور نبوت) دونوں صفتوں میں اطاعت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ آیت میں مذکور الفاظ کے مخالف مفہوم کی نفی کرنے والی دلیل کی عدم موجودگی یہاں رسول کے مفہوم میں موجود نہیں ہے، کیونکہ دوسری متعدد آیات ہیں جن سے نبی کی اطاعت بھی ثابت ہوتی ہے۔اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اس آیت میں چونکہ اطاعت کا تعلق رسول سے رکھا گیا ہے تو نبی کی اطاعت واجب نہیں ہے۔لہذا دونوں کے درمیان تفریق کرنے والا نظریہ ساقط ہے۔

Beacon of Knowledge

تبلیغ میں غلطیوں سے مبرا ہونا رسول اور نبی دونوں کے لئے ہے وجہ اس کے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا }[25]

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

یہ آیت قطعی طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت دیکر بھیجا تھا اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس رسالت کی تبلیغ کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں وحی کے ذریعہ بھیجی گئی تھی۔اس لئے وہ نبی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے والے کی حیثیت سے واجب الطاعت ہستی ہے۔

رہی ان لوگوں کی یہ بات کہ چونکہ قرآن کریم میں نبی ﷺ سے خطا ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ آنے کا تعلق ''نبی'' کے لفظ سے ہے، اور جس سے غلطی سرزد ہوتی ہے اس کی اطاعت واجب نہیں ہوتی اس وجہ سے نبی کی اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ صرف رسول کی اطاعت واجب ہے، تو یہ بھی ایک باطل دعویٰ ہے، کیونکہ جیسا کہ ماقبل میں متعدد بار ہم نے دلائل سے یہ نکتہ ثابت کیا ہے کہ اس بابت نبی اور رسول میں فرق نہیں ہے؛ کیونکہ

---

[25] [الأحزاب:45،46]

اگر اس بات کو ممکن مانا جائے کہ آپ ﷺ سے نبی ہونے کی حیثیت سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے بھی غلطی ہو سکتی ہے؛ کیونکہ جیسا کہ ما قبل میں بیان ہوا کہ "معصوم عن الخطا" ہونے کا تعلق تبلیغ دین سے ہے، اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ تبلیغ دین کی صفت میں رسول اور نبی دونوں مشترک ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو تنبیہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ ﷺ معصوم عن الخطا نہیں تھے؛ کیونکہ محض تنبیہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے کوئی معاذ اللہ کوئی گناہ کیا ہے اور نہ ہی تنبیہ کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی دوسرے مجتہدین کی طرح ہیں جن سے غلطی بھی سرزد ہوتی ہے اور ان کا اجتہاد درست بھی نکل آتا ہے۔ ان سب باتوں کے برعکس تنبیہ کرنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اولی اور بہتر کام کو چھوڑ کر ایسے کام کو اختیار فرمایا جو خود بھی جائز ہے۔ بلکہ اگر ذرا گہرائی سے جائزہ لیں تو اس تنبیہ کرنے کا لازمی مطلب حجیت حدیث کی صورت میں نکلتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقعہ پر نبی ﷺ کو تنبیہ نہیں فرمائی بلکہ معدودے چند موقعہ پر فرمائی ہے، نیز یہ تنبیہ ایسے معاملات کے سلسلے میں ہوئی ہے جن معاملات کے بارے میں پہلے سے شرعی حکم طے ہو چکا تھا، یہ کوئی نئی قانون سازی یا کسی غلطی کی تلافی نہیں تھی جو نبی ﷺ سے صادر ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ تبلیغ شریعت میں نبی سے غلطی کا صدور ناممکن ہے ورنہ شک کے ہوتے ہوئے عام انسانوں کو کیسے کسی شریعت کا پابند کیا جاسکتا ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تنبیہ فرمائی ہے وہ ساری صرف "نبی" کے لفظ میں منحصر نہیں ہیں، جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے، کیونکہ چند آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں نبی اور رسول میں سے کسی لفظ کی تعیین کے بغیر مطلق ذات رسالت مآب ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

Beacon of Knowledge

رہا وہ مخصوص واقعہ جس کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کو تنبیہ کی گئی جس کا واقعہ سورۃ التحریم کی اس آیت میں مذکور ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ}[26]

ترجمہ: اے نبی جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے کیوں حرام کرتے ہو اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس سے بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ یہاں نبی کریم ﷺ پر کسی چیز کو حرام کرنے کے حوالے سے تنبیہ کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کا اپنی ذات پر کسی چیز کے استعمال نہ کرنے کی قسم کھانا تشریع اور قانون سازی کے طور پر نہیں تھا، کیونکہ شہد یا باندی ماریہؓ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے قسم کھائی تھی کے حوالے سے شرعی حکم پہلے سے معلوم ہو چکا تھا، لہذا آپ ﷺ کا انہیں استعمال نہ کرنے کی بات کوئی الگ سے

---

[26] [التحریم:1]

قانون سازی نہیں تھی کہ آپ ﷺ نے ان حلال اور مباح چیزوں کو امت کے لئے حرام قرار دیا ہو، بلکہ ایک مباح جس کا استعمال شریعت میں واجب نہیں ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے اپنی اوپر پابندی لگائی جسے زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ بات کہا جاسکتا ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ایک مثال درج کی جارہی ہے جس میں پہلے نبی کریم ﷺ نے بطور تشریع امت کے لئے پابندی لگائی تھی بعد میں اجازت دی، جو کہ قبروں کی زیارت کا مسئلہ ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے درج ذیل ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے: « نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا »[27] جس طرح اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پہلے بطور شریعت امت کو ایک کام سے منع کیا تھا پھر اس کی اجازت دی، گویا حکم شرعی ہی تبدیل ہو گیا۔ لیکن سورۃ التحریم کے واقعہ میں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے کہ شرعی حکم کو تبدیل کرکے حلال سے حرام قرار دیا گیا ہو۔ بلکہ ایک مباح چیز کی پابندی تھی جو نبی کریم ﷺ سے خود اپنے اوپر لگائی تھی، بطور شریعت نہیں تھی۔ اس کی دوسری مثال وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے "گوہ" کھانے کے بارے میں ارشاد فرمایا: « الضَّبُّ لَسْتُ آكُلُهُ وَلاَ أُحَرِّمُهُ »[28] یعنی بجو میں خود نہیں کھاتا ہوں لیکن اسے حرام بھی نہیں قرار دیتا ہوں۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورۃ التحریم والے واقعے میں شرعی حکم کی تبدیلی کے بجائے نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے ایک مباح چیز استعمال نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، اور ظاہر ہے کہ کسی مباح چیز کا استعمال نہ کرنا کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ہی اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ نے شرعی حکم الٰہی کو تبدیل کر دیا ہو۔

Beacon of Knowledge

لہذا اس آیت میں جو (تحرم) فعل استعمال ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے "جو چیز آپ کے لئے حلال کی گئی تھی اسے آپ اپنے اوپر حرام کر رہے ہو" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد فرمایا ہے: {إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ}[29] اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اسی آیت میں اسی لفظ سے متصل ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ (ما أحل اللہ لک) لہذا اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی حلال چیز کو حرام قرار دیا ہو، کیونکہ نبی کو ﷺ (ان چیزوں کے بارے میں جس کے بارے میں حکم الٰہی موجود ہو) یہ اختیار نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دینے کے بجائے وحی الٰہی سے یہ فریضہ سر انجام دیتے تھے۔ بلکہ سابقہ ساری تفصیلات کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ایک حلال چیز کے بارے میں آپ یہ قسم کیوں کھاتے ہیں کہ آپ ﷺ اسے نہیں کریں گے؟ جیسا کہ اگلی آیت سے بھی یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ:

---

[27] صحيح مسلم (2 / 672) رقم الحديث: 106 - (977)

[28] صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد، باب الضب (7/97) رقم الحديث: صحيح البخاري (7/97).

[29] [آل عمران:93]

{ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ }[30]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے اور وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے کفارے کی صورت میں تمہارے لئے قسم سے حلال ہونے کا راستہ نکالا ہے۔ لہٰذا حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کا تعلق اسی قسم والے موضوع سے ہے، اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کوئی اس وہم میں پڑ جائے کہ آپ ﷺ نے اس حلال چیز کو حقیقی اعتبار سے اپنے اوپر یا امت کے اوپر حرام کر دیا ہو۔

افعال رسول ﷺ

نبی کریم ﷺ کے افعال کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ فطری اور طبعی افعال: یعنی وہ کام جن کا کرنا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، جیسے کھڑا ہونا بیٹھ جانا، کھانا پینا وغیرہ۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس نوعیت کے کام خود آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی مباح ہیں۔ اس کا حکم شہری زندگی کی مختلف مظاہر اور وسائل (لباس، تعمیر، ذرائع حمل و نقل) کی طرح ہیں جو اباحت کے عمومی دلائل کی روشنی میں جائز ہیں جب تک ان کی حرمت کے بارے میں کوئی خاص دلیل نہیں آتی ہے۔

Beacon of Knowledge

دوسری قسم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص افعال:

یعنی وہ افعال جن کے بارے میں دلائل سے ثابت ہوا ہو کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے اور ان میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شریک نہیں تھا، مثلاً: صوم وصال یعنی مسلسل دن رات روزہ رکھنا، بیک وقت چار سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کرنا، و دیگر اس طرح کی خصوصیات۔ اس بات میں بھی کوئی نزاع نہیں ہے کہ ان معاملات میں نبی کریم ﷺ کی پیروی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔

تیسری قسم: طبعی کاموں اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص افعال کے علاوہ دیگر کام، ان کی بابت اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہمیں ان کاموں میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیونکہ ایسے افعال نبی کریم ﷺ کے اقوال اور نبی ﷺ کے سکوت کی طرح شرعی دلائل ہیں، اس لئے اس وجہ سے ان پر عمل کرنا لازمی ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں سرانجام دیا ہے۔ اسی نوعیت کے کاموں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ}[31]

ترجمہ: تمہارے لئے نبی کریم ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔

{إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ}[32]

---

[30] [التحریم:2]

[31] [الأحزاب:21]

{قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَى إِلَيَّ مِنْ رَبِّي}[33]

ترجمہ: میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں صرف اس کی پیروری کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے وحی کے ذریعہ مجھے بھیجی جاتی ہے۔

چونکہ یہ عموم اور جامعیت میں صریح، ظاہر اور واضح ہے اس لئے یہ نبی کریم ﷺ کے اقوال اور سکوت سمیت آپ ﷺ کے کئے ہوئے تمام کاموں کو شامل ہے۔

ایسے مواقع پر آپ ﷺ کا فعل گرامی ہی ہمارے لئے قرآن کریم کی توضیح ہے، خواہ آپ ﷺ نے صراحہ اسے بیان کیا ہو، جیسا کہ نماز اور حج کا طریقہ سکھانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (صلوا کما رأیتموني أصلي) (خذوا عني مناسککم) یعنی نماز یوں پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور حج کے مناسک کا طریقہ مجھ سے سیکھ لو۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا طریقہ اور کام ہمارے لئے بیان کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ کبھی کبھار خارجی احوال کے قرینے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا تھا، تو آپ ﷺ کا یہ کام دراصل قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ: {وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا}[34] چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹو۔

Beacon of Knowledge

افعال کے ذریعہ یہ تشریح (خواہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں زبانی ارشاد بھی فرمایا ہو یا محض قرائن سے واضح ہوتا ہو) یہ چونکہ تشریح ہے تو اس لئے یہ واجب، مباح، مستحب وغیرہ ہونے میں اصل حکم کے تابع ہوں گے جس کی تشریح ان افعال کے ذریعہ ہوتی ہے (جس طرح کی بھی دلیل ہو اس کے مطابق)۔

باقی رہے آپ ﷺ کے وہ کام جن کے ساتھ کوئی ایسی دلیل نہ ہو جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ کام قرآن کی کسی آیت کی توضیح کے لئے ہے یا نہیں ہے، تو ایسے کاموں میں اس بات کو دیکھا جائے گا کہ آیا ایسے کاموں میں حصول ثواب کی نیت کی گئی تھی یا نہیں، اگر اس میں حصول ثواب کی نیت ظاہر ہو جائے تو پھر وہ کام مستحب اور مندوب ہو جائے گا، جس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہو گا، جیسا کہ چاشت کی نماز۔ اگر ایسے کاموں میں ثواب کی نیت ظاہر نہ کی گئی ہو تو پھر ایسے معاملات کا سرانجام دینا مباح اور جائز ہو گا۔

---

[32] [الأنعام: 50]

[33] [الأعراف: 203]

[34] [المائدة:38]

چونکہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے مخالفت کسی حرام کام میں نہیں ہوئی ہے اس لئے نہ تو ایسے کاموں کو گناہ کہا یا سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسے واقعات سے عصمت انبیاء پر کوئی قدغن لگتی ہے؛ کیونکہ گناہ کا تعلق کسی حرام کام کو کرنے یا کسی واجب کو چھوڑنے سے ہے جس کا پتہ دلائل اور قرائن سے ہی لگایا جاسکتا ہے، مثلاً اگر کسی کام کے کرنے پر سزا آئی ہو یا اس کی مذمت کی گئی ہو تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام گناہ کا ہے، محض کسی بہتر اور اولیٰ کو چھوڑنا گناہ نہیں ہے۔

خلاف اولیٰ کام کرنے کی چند مثالیں:

حضرت عبد اللہ بن اُم مکتوم کے واقعے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو تنبیہ، جو کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں ہے:

{عَبَسَ وَتَوَلَّى (1) أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى (2) وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى}[35]

ترجمہ: ان کے چہرۂ (اقدس) پر ناگواری آئی اور رخِ (انور) موڑ لیا، اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا (جس نے آپ کی بات کو ٹوکا)، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (آپ کی توجہ سے مزید) پاک ہو جاتا o

اس آیت میں تنبیہ اس بات پر کی گئی کہ ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ قریش کے سرداروں کو تبلیغ کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابیؓ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم آئے، آپ ﷺ نے قریش کے سرداروں کو دعوت جاری رکھی اور اس صحابیؓ کے سامنے چین بجبیں ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تو یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کوئی معصیت نہیں تھی بلکہ ایک خلاف اولیٰ کام تھا۔ نیز یہاں نبی کریم ﷺ تبلیغ چھوڑ کر نہیں بیٹھے تھے جس پر تنبیہ آئی ہو۔ نیز یہاں تنبیہ کا تعلق نبی یا رسول کے لفظ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ (جاءہ) کی صورت میں غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے اس غائب صیغے کو رسول سے ہٹ کر نبی کے ساتھ مخصوص کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو یہاں نہیں ہے۔

Beacon of Knowledge

دوسری مثال غزوہ بدر کے قیدیوں کی سزا کا واقعہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح خون بہانے سے قبل قید پر عتاب فرماتے ہوئے فرمایا:

{مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ}[36]

---

[35] [عبس:1-3]

[36] [الأنفال: 67]

ترجمہ: کسی نبی کو یہ سزاوار نہیں کہ اس کے لئے (کافر) قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں ان (حربی کافروں) کا اچھی طرح خون نہ بہالے۔ تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو، اور اللہ آخرت کی (بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ خوب غالب حکمت والا ہے۔

یہاں پر اس فعل میں تو نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی پائی گئی ہے اور نہ ہی کسی گناہ کا صدور ہوا ہے؛ کیونکہ "اثخان" سے قبل قید کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے، اور اس "اثخان" کے بارے میں شریعت نے کوئی مخصوص مقدار متعین نہیں کی ہے، اس لئے اس کے لفظی معنی یعنی (ڈرانا اور شدید قتل) مراد لئے جائیں گے اور اس کی مقدار کا فیصلہ حاکم اور سربراہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نیز آیت ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ "اثخان" کے بعد قید کرنا جائز ہے، نبی کریم ﷺ نے جو دشمنوں کو گرفتار کیا تھا وہ در حقیقت کچھ "اثخان" کے بعد ہی کیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ "اثخان" کی اس مقدار پر عتاب فرماتے ہوئے مذکورہ بالا آیت نازل کی۔ چونکہ آیت میں متبادل تشریع نہیں کی گئی ہے اور نہ کوئی سزا یا مذمت تجویز کی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں محض خلاف اولیٰ کا مسئلہ تھا جس پر تنبیہ فرمائی گئی۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان {عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ}[37]

اللہ آپ کو سلامت (اور باعزت وعافیت) رکھے، آپ نے انہیں رخصت (ہی) کیوں دی (کہ وہ شریکِ جنگ نہ ہوں)

Beacon of Knowledge

تو اس میں بھی کوئی گناہ کی بات نہیں ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر اجازت دینا فی نفسہ جائز ہے جسکی اجازت کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ النور کی درج ذیل آیت نازل ہوئی ہے جو کہ نزول میں اس عتاب والی آیت سے پہلے ہے: {فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ}[38] اس لئے یہاں اجازت دینے کو زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اجازت دینا تو فی نفسہ جائز تھا لیکن خاص غزوہ تبوک میں مخصوص حالات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا ان کو اجازت دینا مناسب نہیں تھا، اس لئے اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رہی یہ بات کہ بعض لوگ درج ذیل آیت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے معصوم ہونے کا انکار کرتے ہیں:

{لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا }[39]

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے اور تاکہ اپنی نعمت تم پر مکمل کرے اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے۔

---

[37] [التوبۃ:43]

[38] [النور:62]

[39] [الفتح:2]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں (سابقہ گناہ) سے مراد وہ ہے جو نبوت عطاء ہونے سے پہلے سرزد ہوئے ہو، عصمت کا تقاضہ یہ ہے کہ رسالت عطاء ہو جانے کے بعد گناہ سرزد نہ ہو جائے، جیسا کہ موسیٰؑ کے واقعہ میں ہے۔ باقی (وما تاخر یعنی) تو اس کو گناہوں سے بچنے کی مزید تاکید قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ مثلاً فلاں آدمی نے اس کو بھی انعام دیا جس کو اس نے دیکھا تھا اور اس کو بھی جسے دیکھا نہیں تھا، یا فلاں آدمی نے اسے بھی مارا جس سے وہ ملا تھا اور اس کو بھی مارا جس سے ملا نہیں تھا۔ (حالانکہ حقیقت میں اس نے انعام صرف ان لوگوں کو دیا تھا جنہیں اس نے دیکھا تھا، اسی طرح مارا بھی صرف انہی لوگوں کو تھا جن سے وہ ملا تھا۔ بس اس طرح کہنے سے اس کے انعام دینے اور مارنے میں مزید تاکید پیدا ہو گئی اور شک کا کچھ احتمال جو بچتا تھا اسے ختم کر دیا)

باقی وہ آیات جن میں نبی کریم ﷺ کو استغفار کرنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ

{فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ} [40]

پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (اظہارِ عبودیت اور تعلیمِ امت کی خاطر اللہ سے) معافی مانگتے رہا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی طلبِ مغفرت (یعنی ان کی شفاعت) فرماتے رہا کریں (یہی ان کا سامانِ بخشش ہے)، اور (اے لوگو!) اللہ (دنیا میں) تمہارے چلنے پھرنے کے ٹھکانے اور (آخرت میں) تمہارے ٹھہرنے کی منزلیں (سب) جانتا ہے

Beacon of Knowledge

تو یہاں چونکہ استغفار کو نبی کریم ﷺ کے کسی فعل کے ساتھ نہیں جوڑا گیا ہے اس لئے بھی استغفار کا حکم دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے گناہ بھی سرزد ہوا ہے۔ کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو آیت میں اس کا صاف تذکرہ آتا، اس لئے کہ آپ ﷺ کا ہر کام شریعت اور قانون کا درجہ رکھتا تھا، اب وحی کا آپ ﷺ کے افعال میں سے کسی کی درستگی نہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ گناہوں سے معصوم تھے۔ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے کسی کام کی تصحیح نہیں کی گئی ہے سوائے ان کاموں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا ہو، جیسے سمت قبلہ کی تعیین کا مسئلہ جس کے بارے میں آیت ہے کہ {فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ} [41]

لہذا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو استغفار کا حکم دینے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے گناہ سرزد ہوا ہے، یہ اس وقت ہوتا جبکہ خود نبی کریم ﷺ سے کسی معصیت کا صدور ہوا ہو، اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور ﷺ سے کسی معصیت کا صدور نہیں ہوا ہے اگر معصیت کا صدور ہو چکا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کی مذمت کر کے یا اسپر سزا دیکر اس کی درستگی کی جاتی، جو کہ بالکل ہی کبھی نہیں ہوا ہے۔ جسکی ایک واضح دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ:

---

[40] [محمد:19]

[41] [البقرۃ:144]

{ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ (44) لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ (45) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (46) فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ }[42]

اور اگر وہ ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے، تو یقیناً ہم اُن کو پوری قوت و قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ضرور اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اِس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

لہذا تاویل جو بھی ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ سے گناہ صادر ہونے کی نفی کی جائے، کیونکہ جن آیات سے نبی کریم ﷺ کے معصوم کی نفی ہونے کا اشتباہ ہوتا ہے ان کی دلالت ظنی ہے جبکہ خود معصوم ہونے کا عقیدہ قطعی عقلی دلائل سے ثابت ہے کیونکہ اگر یہ بات ممکن ہو جائے کہ نبی سے بھی گناہ اور معصیت کا صدور ہو سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جو احکام پہنچاتا ہے اس میں شک پیدا ہو جاتا ہے اس لئے پھر لوگوں کے لئے وہ حجت نہیں بن سکتا ہے۔ اب کوئی یہ سوال نہ کرے کہ عقل شریعت اور دین کے معاملات میں حجت نہیں ہے، کیونکہ جزئی احکام میں اگرچہ دلیل نہیں بن سکتی ہے لیکن عقائد کے معاملے میں اس کے ذریعہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے، مذکورہ مسئلہ کا تعلق بھی چونکہ عقیدے سے ہے اس لئے اس کے بارے میں عقلی دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

بات کا حاصل یہ ہوا کہ نبی ﷺ سے جو تبلیغ مطلوب ہے یہ وہ تبلیغ ہے جو غلطیوں سے مبرا ہو، جب عصمت انبیاء کا مسئلہ یقینی دلیل سے ثابت ہو گیا تو پھر جن آیات کا مفہوم ظنی طور پر اس کے خلاف جاتا ہے تو ان آیات کی تشریح اسی عصمت انبیاء کے تناظر میں کرنا ضروری ہے لہذا جن آیات کا ظاہری مفہوم اس عصمت انبیاء کے مسئلے کے خلاف جاتا ہو تو ان کی تشریح میں ایسی تاویل کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ عصمت انبیاء سے ہم آہنگ ہو جائے۔

Beacon of Knowledge

یہی معاملہ اس وقت بھی کیا جائے گا جب کسی ظنی علم کا قرآن جیسے قطعی علم سے تعارض اور ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو قطعی کو ترجیح دی جائیگی، اسی طرح اگر کوئی قطعی علم ہو اور قرآن کی کسی آیت کا مفہوم ظنی ہو تو پھر ان علوم کو قرآن کریم کی تفسیر کی تعیین کے لئے ایک قرینہ سمجھا جائے گا، کیونکہ کسی نظریئے کی صداقت اس وقت واضح ہوتی ہے جبکہ اس کو خارجی عالم پر منطبق کیا جائے۔

اب تبلیغ میں نبیؑ کے معصوم ہونے کا نظریہ ایسا ہے کہ وہ خارجی صورتحال پر صحیح منطبق ہوتا ہے، اس لئے جو اس کی مخالف دلائل ہیں ان کو اس عقیدے کے مخالف دلائل کی نفی پر محمول کر لیا جائے گا۔ اب محض یہ عصمت انبیاء کا مسئلہ بذات خود اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ حجیت سنت (نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات) کے لئے یقینی دلیل بن سکے۔ لہذا ہمیں صرف اس بات کو ثابت کرنے کی ضرورت ہو گی کہ حضرت محمد ﷺ رسول اور نبی ہیں جس سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جائیگی کہ انہوں نے ہمیں جو بھی باتیں بتائی ہیں وہ اللہ کی طرف سے وحی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں "اجتہاد" کا نظریہ رکھنا جائز نہیں ہے:

---

[42] [الحاقۃ:44-47]

بعض قدیم علماء نے (حدیث اور سنت کو حجیت تسلیم کرتے ہوئے) یہ کہا تھا کہ حضور ﷺ اجتہاد کرتے تھے، ان منکرین حدیث نے ان علماء کے قول کو دلیل بناتے ہوئے یہ کہا ہے کہ چونکہ نبی ﷺ اجتہاد کرتے تھے اور اجتہاد کرنے والا صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی شریعت صرف ان تک محدود تھی امت کے لئے ضروری نہیں۔ ان لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ آپ ﷺ مجتہد تھے یا اجتہاد کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے تھے، {قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ}[43] پھر نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر کہا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا کہا ہے {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا}[44] لہذا نبی کریم ﷺ کے اقوال، اعمال اور سکوت امت کے کے لئے شرعی احکام ہیں کیونکہ وہ وحی کی تشریح بھی ہے اور وحی کے ذریعہ قانون سازی بھی۔

اب نبی کریم ﷺ کے بارے میں اجتہاد کا نظریہ رکھنا صحیح قول کے مطابق تبلیغ میں عصمت کے منافی ہے کیونکہ ایک مسئلے میں غلطی کا مطلب تشریع میں غلطی ہے جو کہ ناممکن ہے۔

نیز ان منکرین نے ان واقعات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے رائے لی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تبلیغ شریعت میں نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ دنیاوی معاملات میں مباح اسباب اور ذرائع کو اختیار کرنے کے سلسلے میں ہوتا تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد اور بدر کے موقعہ پر جنگی معاملات کے سلسلے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا، اسی طرح (تابیر نخل / کھجور کو قلم لگانا) کے معاملے پر جو ہوا تو وہ بھی مباح ذرائع میں سے تھا نہ کہ رسالت کے کاموں میں سے۔

چونکہ نبی کریم ﷺ اپنی ذاتی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے بلکہ وحی سے فرماتے تھے {قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ}[45] اسلئے یہ کہنا کہ حضور ﷺ اجتہاد کرتے تھے درست نہیں۔ یہ آیت اس بارے میں قطعی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے اقوال، اعمال اور بالسکوت اجازت دہی در اصل وحی الہی سے ہے، جس کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی رائے وحی نازل ہو جانے کے بعد دیتے تھے، اگر حضور ﷺ اپنی ذاتی رائے ہی بتاتے تو پھر وہ وحی کے نازل ہونے کا انتظار نہ کرتے۔ اب اگر حضور ﷺ حکم صادر کرنے میں غلطی کرتے تو پھر سارے لوگ اس غلطی میں بھی نبی کریم ﷺ کی اتباع کرتے، حالانکہ یہ واضح طور پر ایک باطل نظریہ ہے کیونکہ اس سے تو نبوت اور رسالت کی پوری عمارت گر جاتی ہے۔

Beacon of Knowledge

---

[43] [الأنبياء:45]

[44] [الحشر:7]

[45] [الأنبياء:45]

اب بعض لوگوں نے ان ساری باتوں کا یہ جواب دیا ہے کہ حضور ﷺ اجتہاد فرماتے تھے اگر حضور ﷺ سے غلطی ہوتی تو وحی کے ذریعہ اس کی درستگی ہو جاتی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے اجتہاد کا نظریہ رکھنے والے قدیم علماء کی یہی رائے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارشاد خداوندی ہے {وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ}[46] اب اگر حضور ﷺ سے غلطی کا صدور ممکن ہوتا تو اللہ تعالی ہر گز ان کی اتباع کا حکم نہ فرماتے۔

گزشتہ ساری تفصیلات کی روشنی میں اس مسئلے کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کے لفظ کو رسول سے جدا کرنے کا نظریہ صرف ان باطل لوگوں اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا ایجنڈا ہے؛ کیونکہ نبی کی اطاعت کا ضروری ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جو صحابہ کرامؓ (جو دین کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے) کے ہاں اور بعد کے اہل علم کے نزدیک بھی دین کی ایک بدیہی حقیقت تھی، لہذا ان کے ہاں رسول کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں تھا خواہ حکم اور خطاب نبی کے لفظ سے آیا ہو یا رسول کے لفظ سے۔ نیز وہ رسول اور نبی کی مخاطبت کو پوری امت کی مخاطبت سمجھتے تھے، کیونکہ وہ صرف نبی کو یا اس زمانے میں مکہ میں موجود مسلمانوں کے لئے حکم نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری امت کے لئے ہوا کرتا تھا۔

نیز سابقہ تفصیلات سے ہم اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ مذکورہ دو لفظوں کے درمیان تفریق محض اسلام کو زندگی سے کاٹنے کے نظریئے کی تکمیل کے لئے کی گئی۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے نبی اور رسول کے لفظ میں فرق کرکے یہ کوشش کی گئی کہ اسلام کی عملی زندگی جس کی رہنمائی سنت مطہرہ سے ملتی ہے کو ختم کرنے کے لئے سنت مطہرہ کی اصل جڑوں کو نشانہ بنایا جائے۔ سنت کی حجیت ساقط کرنے کا ایک لازمی نتیجہ زندگی کے سیاسی وجود سے اسلام کو نکالنا بلکہ اس میں اس طرح سے تحریف کرنا ہے کہ یہ کسی بھی صورت میں وہ حقیقی اسلام نہ رہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

Beacon of Knowledge

قرآنی متن کا تاریخی تناظر میں مطالعہ:

چند سیکولر اور منکرین حدیث سنت کو مقید اور معزول کرنے اور اس کی حجیت اور مرجعیت ساقط کرنے کے لئے محدود زمانے والے نظریئے کا سہارا لیتے ہیں کہ قرآن اپنے نزول کے محدود زمانے کے لئے تھا جس کی وجہ سے اسلام بھی محض نبی کریم ﷺ کے زمانے کے لئے منحصر تھا۔

قرآنی متن کو اس طرح کی تاریخ نزول تک محدود کرنے کا نظریہ ایک نیا مغربی انداز ہے جسے مارکسی فلسفہ سے شہہ ملتی ہے۔ نیتشے اور کانٹ کا فلسفہ ہی وہ نظریہ تھا جسے بعض سیکولر عرب (جیسے فرح انطون) نے قرآنی متن کو محض تاریخی اور جغرافیائی دائرے میں محدود کرنے اور اس زمانے کے علمی اور ثقافتی ماحول تک محدود کرنے کا نظریہ اخذ کیا تاکہ دوسرے زمانوں اور جگہوں کے لئے سنت کی حجیت کو ساقط کر دیا جائے۔ اس طرح بعض دیگر لوگوں نے موجودہ زمانے میں شرعی طریقے سے وحی کی مرجعیت ختم کرنے کے لئے فلسفہ، منطق اور تجرباتی انداز کو عربی زبان کے قواعد اور فقہ اور اصول فقہ پر منطبق کیا۔

---

[46] [الأعراف:158]

اس نظریئے کا دار و مدار اس نقطے پر ہے کہ اقدار اور معلومات ایک تناسبی چیز ہے، نیز انہیں مخصوص تاریخ میں مقید کرکے انہیں عمومی طور پر نافذ العمل ہونے کا انکار کیا جس کی وجہ سے وہ اصول کے مشہور قاعدے (اصل اعتبار الفاظ کے عام ہونے کا ہے نہ اس کے نزول کے مخصوص اسباب کا) کو شریعت اور قانون سازی کے لئے جرم سمجھتے ہیں۔

اس انداز فکر کا نتیجہ متن کی مرجعیت کو اس دلیل کی بنیاد پر ساقط کرنا ہے کہ وہ ایک مخصوص زمانے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس منطق کی روشنی میں قرآن متن محض ایک برتن رہ جاتا ہے جسے مخصوص زمانی حالات نے بنایا ہو، اور جسے پھر علماء نے معروضی صورتحال اور مخصوص علمی اور تہذیبی ماحول کے تناظر میں اپنے افکار سے بھرتے ہیں جس کے بعد متون پر زمانے کی بگاڑ کی فطری قانون چلتا ہے اور یوں اصل متون کی دلالت کے بجائے معروضی حقائق ہی اصل بنیاد قرار پاتے ہیں۔

یہ ان کا وہ مختصر انداز ہے جسے وہ دین کو زندگی سے کاٹنے اور قرآن و سنت کی عملداری ختم کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حالانکہ حقیقت میں ان ساری چیزوں کا شریعت کی فہم سے بالکل ہی کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ تاریخ قانون سازی کا سرچشمہ نہیں بن سکتا ہے، نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کا عمل اور کردار اسکے عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں نہ کہ تاریخی حقائق کی بنیاد پر۔ جبکہ اصل میں انسان اپنی فطرت میں ابتدائے تخلیق سے لیکر آج تک اپنی اصل فطرت سے تبدیل نہیں ہوا ہے، جو چیزیں ماضی میں اس کے لئے حقائق بن سکتی تھیں وہ موجودہ اور آنے والے زمانے میں اور ہر زمان و مکان کے لئے اس کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر تبدیل ہوئے ہیں تو وہ صرف ان کو حاصل کرنے کے ذرائع اور اسباب تبدیل ہوئے ہیں۔

Beacon of Knowledge

انہوں نے عقل اور وحی دونوں سے عاری غلط منطقی مقدمات کی بنیاد پر اسلام کے اصولوں کو گرانے کے لئے اسلام کی از سر نو تعارف کرایا، تاکہ جدیدیت کی رو سے آگاہی پھیلا کر شریعت کے نظام کو ختم کرکے جدجدیت کے اصولوں پر ایسا نظام تشکیل دیں جس میں اسلام اور سیکولرازم متصادم نہ ہو اور جس میں اسلامی مفاہیم کو سیکولر سانچے میں ڈھالا جاسکے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ وحی کی ضرورت صرف اس زمانے کے لئے تھی جس زمانے میں عقل اور تجربہ انسان کی فکری ضروریات کی تکمیل کے مرحلے تک نہیں پہنچ پائے تھے تاکہ اس زمانے میں پھیلی ہوئی من گھڑت باتوں اور کائنات کے رازوں کی خرافاتی تشریحات سے عقل کی حفاظت کی جاسکے۔

کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اللہ نے عقل کو اس لئے بنایا ہے کہ وہ تجربے کی مدد سے معلومات پیدا کرتا ہے لیکن چونکہ گزشتہ زمانے میں علم اور تجربہ اس بات سے عاجز تھے کہ وہ کائنات کے سربستہ رازوں کی تشریح کرسکے، اس لئے انسانیت کی اس وقت کی علمی ضرورت کی تکمیل کے لئے وحی نازل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس کی وجہ سے وحی کو علم کا مستقل ذریعہ ہونے کے بجائے محض ایک مخصوص مدت کے لئے معلومات کا ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اب چونکہ عقل اور تجربہ اس کردار کو ادا کرسکتے ہیں جو کردار ان کی غیر موجودگی میں وحی کو ادا کرنا پڑتا تھا، بالخصوص جب ان کے باطل گمان کے مطابق وحی نے بعض مسائل میں

خرافات کو نہ صرف اپنایا ہے بلکہ اسے ایجاد بھی کیا ہے (والعیاذ باللہ) جیسا کہ سلیمانؑ اور ہدہد کے واقعے اور نبی ﷺ کے معراج کے واقعے کی وہ مثال دیتے ہیں۔ یہ خبیث نظریہ در اصل وحی پر اس بات کی بہتان لگانے کے لئے ہے کہ وحی میں حد سے تجاوز اور خرافات کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے وہ جدید تحقیقات اور ترقی کے زمانے میں وحی کو عقل اور سائنس سے متصادم سمجھتے ہیں۔ اس منطقی کڑیوں کو ملا کر وہ وحی کی ضرورت ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں، بالخصوص جبکہ وہ اسے انسانی عقل کی پختگی، سائنسی ترقی اور تجرباتی معلومات میں اضافے کے نتیجے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مزید بر آں وہ نبی ﷺ سے مرویات کا ثبوت بھی نہیں مانتے ہیں۔ اس سارے معاملے میں وہ اسلام کو یورپ کے جدید روشن خیالوں پر قیاس کرتے ہیں جنہوں نے سائنسی ترقی کی بنیاد پر زندگی کے معاملات میں مذہب کی بالادستی اور کنیسہ کی مداخلت کیا تھا۔

ہمارے سیکولر اور منکرین حدیث کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ ان تفصیلات کی روشنی میں وحی، شرعی متون و قواعد وغیرہ کو محض ایک وقتی ضرورت قرار دیکر یہ باور کرائیں کہ یہ عربی زبان کی طرح شکست وریخت سے دوچار ہو چکی ہے اب سائنس اور تجربے کی مدد سے عقل ہی علم کا واحد سرچشمہ ہے۔

اب جو شریعت کا مسلمہ قاعدہ تھا کہ (شرعی متن کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے) جس کی وجہ سے عقل کا دائرہ کار محدود ہو جاتا تھا، شریعت کے ہوتے ہوئے اسکی بالادستی کا تصور نہیں تھا، یہی قاعدہ اسلام اور کفر میں تمیز کا کام دیتا تھا، انہوں نے اس قاعدے کو توڑ کر اس کی جگہ (لا نص مع العقل / عقل کے ہوتے ہوئے وحی کی ضرورت نہیں) سے تبدیل کر دیا۔ اس کے ساتھ ان کے اس نظریئے پر یہ بھی ہوا کہ جو ایک اور شرعی اصول تھا کہ (اصل اعتبار لفظ کے عام ہونے کا ہے نہ کہ سبب کے خاص ہونے کا) جو قاعدہ شریعت کی تفہیم اور اسے ہر زمان و مکان میں آمر کرنے کے لئے تھا انہوں نے عربی زبان اور اس کے علوم سے ہٹ کر محض سائنسی اصولوں کی بنیاد پر اس قاعدے میں تبدیلی کر کے کہا کہ (اصل اعتبار سبب اور موقعہ محل کا ہے نہ کہ الفاظ کا / یعنی نصوص کی دلالت میں عموم اور خصوص کا تصور ختم کیا) جس سے یہ لازم آیا کہ شریعت اور شرعی قوانین کو صرف اس زمانے تک محدود سمجھا جائے جس زمانے وہ نازل ہوئے ہیں۔ یہ سب شریعت کو پابند کرنے، صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس کو جبری طور پر بند کرنے، موجودہ زمانے تک اس کی پھیلاؤ روکنے، بلکہ اسے ایک متعدی وباء سمجھ کر اس کے دیکھنے سے بھی روکنے، اور اسے آباواجداد سے آنے والی ایک فاسد موروثی بیمار قرار دینے کی غرض سے تھا۔

اس دلفریب انداز میں وحی کی ذمہ داری پیش کرنے اور اس پر مبنی قواعد سازی اور جزئیات کی نتیجہ خیزی سے جدیدیت کے دعویداروں نے کی تفہیم کی کوئی نئی صورت پیش نہیں کی، بلکہ انہوں نے صرف علمی طور پر مغرب کی پیروی ایجاد کی بلکہ ساتھ ساتھ اسلام کے اصول، معیارات اور شرعی نظام کو ڈھانے کی کوشش بھی کی۔ نیز انہوں نے صرف دین کو زندگی سے کاٹنے پر اکتفاء نہیں کی، بلکہ شرعی اور عقائدی معلومات کو سمجھنے اور اسکی تشریح کرنے کے وائل بھی منہدم کئے، اور انہوں شریعت کی بالادستی کی جگہ عقل، سائنس اور مادیت پرستی کو بالادست سمجھ کر مسلمانوں کی ثقافتی اور تہذیبی ڈھانچے کو مسمار کر دیا۔

Beacon of Knowledge

اس فلسفے کی تردید کے لئے درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

پہلی بات: سیکولر لوگ اسلام کو معروضی صورتحال کے مطابق ڈھالنے کے لئے قرآنی متن کی قداست ختم کرنے اور عربی زبان کی استنادی حیثیت ڈھانے کے لئے متن اور معروضی حقائق کا نظریہ پیش کرتے ہیں، اس لئے وہ شرعی متون کی تفہیم خود ساختہ تجزیہ، فلسفہ و منطق اور سائنسی انداز فکر کی روشنی میں کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہی چیزیں مسلم اور مقدس ہیں۔ یہ لوگ نصوص کی تفہیم میں فقہ، اصول فقہ، علوم عربی، علم تفسیر اور حدیث کا کوئی عمل دخل نہیں سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے حقیقت اس کے برعکس ہے، کیونکہ اسلام میں شرعی معارف کا حصول اس کے معیارات اور اس کے مصادر سے ہی ممکن ہے تاکہ جن چیزوں کے بارے میں یقینی دلائل موجود ہوں ان کے بارے میں قطعی علم کا حصول ہو جائے جیسے کہ عقائد اور بنیادی اصول، جبکہ جن معاملات کے بارے میں ظنی معلومات کافی ہوں ان کا علم ظنی دلائل سے حاصل کیا جائے جیسا کہ شرعی احکام اور تجربے پر مبنی علوم۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام شریعت کی مرکزیت کی دعوت دیتا ہے جس کی روشنی میں حقیقی بالادستی شریعت کی ہی قائم ہوتی ہے اور تفہیم میں عقل کا دائرہ کار محدود رہ جاتا ہے، نیز اس کے مطابق خارجی حقائق، رویے اور تعلقات سب کا شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا جب عقل کا میدان، اس کا فکری دائرہ کار اور اس کے علمی فیلڈ معلوم ہو جائے اور خارجی حقائق کو ذہن سے باہر تصور کیا جائے تو اس وقت پھر معیارات نکھر کر سامنے آتے ہیں، تفہیم منضبط ہو جاتی ہے، متشابہ مسائل میں اختلافات کم ہو جاتے ہیں اور حقیقت کو نسبی قرار دینے کے نظریئے سے دلیل ساقط ہو جاتی ہے۔

Beacon of Knowledge

یہ بات اس وجہ سے ہے کہ حقیقت کا مطلب ہے فکر کا خارجی صورتحال کے مطابق ہونا، تو یہ نہ تو مسلمانوں کے ہاں متعدد ہو سکتی ہے اور نہ ہی غیر مسلموں کے ہاں۔ کیونکہ ذہن کے باہر خارجی صورتحال متعدد نہیں ہوتی ہے۔ اب مثلاً سورج، سورج ہی ہے، یہ سورج اور چاند دونوں یا صرف چاند نہیں ہے، لہذا حقیقت کا تعلق قطعی دلائل کے ساتھ ہی ممکن ہے ظنی دلائل کی بنیاد پر حقیقت قائم نہیں ہو سکتی ہے۔

اب قرآنی متون چونکہ وحی سے ثابت ہیں اس لئے وہ یقینی حقائق ہیں، البتہ ان میں اکثر کی دلالت ظنی ہے۔ جبکہ سنت کے تفصیلی نصوص میں سے اکثر کا بطور وحی ثبوت ظنی ہے، دلالت بعض کی قطعی، جبکہ بعض کی ظنی ہے۔ لہذا نصوص شرعیہ میں جو ظنی ہوں گے تو ہم ان میں حقیقت نہیں ڈھونڈیں گے بلکہ راجح قول تلاش کریں گے، جس کی بنیاد پر راجح قول شریعت میں ایک رائے ہوگی نہ کہ خود شریعت، یعنی نص جن چیزوں کا احتمال رکھتا ہے تو یہ ان میں سے ایک ہے لہذا اس کے مخالف پر تنقید بھی نہیں کی جائیگی۔

البتہ عقائد کے باب میں اختلاف ہی تو در حقیقت حق و باطل کا میدان ہے کیونکہ اس کا تعلق عقیدہ کا خارجی صورتحال سے مطابق ہونے یا نہ ہونے سے ہے، خواہ وہ حقیقی صورتحال حسی ہو یا پھر وہ ہو جس کے بارے میں یقینی وحی آئی ہو، جس کی تصدیق عقل سے بھی ہوتی ہو۔

اس ساری تفصیل کو مد نظر رکھ کر حقیقت حال یہ نکلتی ہے کہ سیکولر اور لبرل لوگوں کو "حقیقت" کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی فکر انہیں سلطنت پر اجارہ داری، عقل کی شریعت پر بالادستی اور دین اور مسلمانوں پر تسلط کی ہے۔

دوسری بات: عرب سیکولر حضرات کے فلسفے اور جدید تحقیقات نے وحی کے کردار کو محدود کر کے اس کا دائرہ کار انسانیت کے بچپن کے دور میں علم کی خالی جگہیں پر کرنے تک تنگ کر دیا۔ یعنی وحی کے مقام کو معلوماتی کمیت تک محدود کر کے اس کے علم ہونے اور تحصیل علم کا ذریعہ ہونے کا پہلو نظر انداز کر دیا۔

حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وحی کا کردار صرف معلوماتی کمیت تک محدود نہیں ہے، نہ ہی س کا دائرہ کار صرف اس زمانے تک خاص ہے جس زمانے میں انسانی عقل علم اور معرفت کے حصول سے عاجز تھی۔ اس کے برعکس وحی کا اصل کردار اس خلا کو پر کرنا ہے جس کا کسی بھی زمانے بھی میں پورا کرنا عقل اور تجربے کے بس کا کام نہیں۔ یہ وہ علاقہ ہے جو وجود کے کلی تصور میں "حس" سے کٹا ہوا ہے، جیسا کہ مخلوق کا خالق کے ساتھ تعلق صحیح ترتیب سے استوار کرنا، غیب سے متعلق امور، نیز وہ تاریخی واقعات جن کا ادراک انسانی عقلوں کے ذریعہ ممکن نہیں۔

Beacon of Knowledge

اس لئے یہ کہنا کہ تجربے اور سائنس سے فیض یافتہ عقل وحی سے آزاد ہو سکتی ہے اور خرافات کی جڑ سے کاٹ سکتی ہے، یہ بات بذات خود بھی نہ صرف ایک خرافات ہے، بلکہ یہ ایک غلط منطقی مقدمے پر بھی قائم ہے؛ کیونکہ اس میں وحی کے کردار کی صحیح پہچان نہیں ہوئی ہے، اور عقل کا مرتبہ پہچاننے میں غلطی ہے کہ وہ وحی سے ہٹ کر بذات خود غیب سے متعلق امور اور خالق و مخلوق کے تعلق میں انسانوں کو خالق کی ضرورت کا صحیح ادراک نہیں کر سکتی ہے، خواہ وہ سائنسی تجربات وغیرہ میں کتنا ہی آگے کیوں نہ ہو جائے۔

اس لئے یہ فرض کرنا کہ عقل اور تجربہ (غیر) حسی فی الحال یا کچھ عرصہ بعد معارف تک پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہ یہ دونوں وحی سے مستغنی ہو سکتے ہیں یہ بالکل ایک غلط فرضیہ ہے کیونکہ وحی کا تعلق صرف کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ اس کا مقصد ایک آسمانی پیغام پہنچانا تھا جو کہ محسوس اور غیبی امور (فرشتے، جنت، دوزخ، تاریخ وغیرہ) سے متعلق خبر پر مشتمل تھا، اور جو خالق کے ساتھ انسانوں کے تعلقات کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے نازل ہوا تھا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا عقل و تجربہ وحی سے آزاد ہو کر کبھی بھی ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقل کے حدود اور سائنسی میدان کے دائرہ کار سے باہر ہے جو ہر چیز کو تجربہ کی بنیاد پر پرکھتی ہے۔ لہذا سائنسی انداز فکر کو مقدس ماننے والے کہاں اس وجود کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں بالخصوص وحی، رسالت، جنت دوزخ وغیرہ کے ایمان اور شرعی احکام کی تابعداری پر مبنی، خالق و مخلوق کے تعلق کا ادراک کہاں ممکن ہے۔ لہذا وحی ہی علم کا سرچشمہ ہے جو خرافات کو جڑ سے اکھاڑنے، قداست کو صحیح رخ پر لانے،

وجود انسانی کی صحیح توجیہ پیش کر کے اسے مقصدیت پر ڈالنے اور بندوں کے معاملات کی درستگی کرنے کے لئے آتی ہے۔ یہ ایک وقتی پیمانہ نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے، کیونکہ وحی کے بغیر انسانی زندگی کو درپیش بڑے سوالات کے جوابات نہیں دئے جاسکتے، مثلاً موت کے بعد والی زندگی اور اس زندگی کے معاملات چلانے میں خالق کا تدبیری نظام وغیرہ۔ یہ سارے میدان ایسے ہیں کہ عقل اور سائنس وحی سے کٹ کر اس میں داخل نہیں ہوسکتی ہیں اور نہ ہی وحی سے آزاد ہو کر اس کا علم حاصل کر سکتی ہیں۔

اس لئے ان لوگوں کا فرض کیا ہوا وحی کا کردار اور ذمہ داری ایک غلط منطقی مقدمہ ہے کیونکہ وحی کسی مخصوص زمانے میں انسانی عقل سے ماوراء کائنات کی تشریح کرنے اور معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے نازل نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کا تعلق خالق و مخلوق کے رابطے اور تخلیق و قدرت کے نظام سے ہے جس کی وجہ سے یہ علم کا ایک مستقل سرچشمہ ہے ایک مخصوص مدتی پیمانہ نہیں ہے، بالخصوص اس تناظر میں کہ اسلام ایک کامل مکمل شریعت ہے جو تمام انسانوں کے مشکلات حل کرنے کے لئے آئی ہے خواہ وہ کسی بھی زمانے یا علاقے میں ہو۔

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ سیکولر حضرات کا وحی کے بجائے تاریخ کی ارتقاء اور سائنس کی ترقی کی بنیاد پر عقل اور سائنس کو بذات خود علم کا سرچشمہ ماننا نہ صرف ایک غلطی ہے بلکہ یہ ایک غلط انداز فکر کا پیش خیمہ بھی ہے۔

Beacon of Knowledge

تیسری بات: معلومات کی نوعیت کو دیکھ کر ہی یہ طے کیا جاتا ہے کہ کونسے طریقے اور کونسے مصادر سے کن وسائل کی مدد سے اسے حاصل کیا جاسکے گا، اس لئے سائنسی انداز صرف تجرباتی علوم کی تحصیل کے لئے ہی استعمال کیا جاسکے گا، یہ ہر چیز کے لئے استعمال نہیں ہوگا، سیکولر حضرات یہ غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ وہ عقلی طریقہ کار کو چھوڑ کر تجربے پر مبنی سائنسی انداز کو ہر مسئلے سے متعلق علم کی تحصیل کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اب افکار یا تو کسی خارجی چیز پر حکم لگانے کے لئے ہوں گی یا اس کے استعمال وغیرہ کے لئے، اسی طرح سوچ کبھی کسی چیز کے وجود سے متعلق ہوتی ہے کبھی اس کے بارے میں کسی رائے کو طے کرنے کے لئے اس کی ماہیت سے متعلق ہوتی ہے، ان میں سے ہر تحقیقی انداز کا الگ طریقہ اور ذرائع ہیں۔ اب جس طرح کسی مادے کو لیبارٹری لے جا کر اس پر تجربات کئے جاتے ہیں تعلقات اور واقعات کا اس طرح تجربہ نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی محقق اس طرح کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ غلطی پر ہوگا، جیسا کہ سوشیالوجی اور سائیکالوجی کے ماہرین کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ سائنسی طریقہ تحقیق کا تعلق مادہ سے ہے جسے لیبارٹری لیجا کر اس پر تحقیق کی جاتی ہے جیسا کہ کیمسٹری اور فزکس میں ہوتا ہے، فقہی، فکری، زبانی اور سیاسی معاملات پر اس کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے۔

رہی بات استقراء اور غور و فکر پر مبنی فکری نتائج کی تو درحقیقت وہ ایک عقلی طریقہ کار ہے اگرچہ اسے سائنسی انداز میں بھی درج کیا گیا ہے۔

یہاں پر ضروری ہو جاتا ہے کہ فقہی، لسانی اور سیاسی متون کو سائنسی اشیاء سے الگ کیا جائے، بلکہ خود انسان اور سائنسی اشیاء کے درمیان فرق کیا جائے۔ بایں طور کہ سائنسی انداز فکر کو فقہ، عقائد، سیاست اور زبان پر منطبق نہ کیا جائے، کیونکہ فقہ، لغت، اصول، عقائد وغیرہ کا علم سائنسی تجربات اوران کے ظنی نتائج پر مبنی معلومات کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

کیونکہ وہ افکار جن کا تعلق اس خارجی صورتحال سے ہے جو حس کے دائرے میں نہیں آتی ہے، یہ درحقیقت عقیدے کے مباحث ہیں جن کی دلیل وہ وحی ہوتی ہے جس کی بنیاد عقلی طور پر بھی مسلم ہے۔ البتہ وہ افکار جن کا تعلق اس خارجی صورتحال سے ہو جس پر بذات خود یا اس کے نتائج حس کے زمرے میں آتے ہو تو یہ بھی عقیدہ کے مباحث میں سے ہے لیکن ان کی دلیل عقل ہوتی ہے، جس طرح کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے، عیسیٰؑ کو خدا ماننے اور اس سے متعلق تثلیث کا عقیدہ کہ یہ سارے مسلمانوں کے نزدیک عقلی طور پر باطل ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا بذات خود مطلب یہی ہے کہ وہ پہلے موجود نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا جس کی وجہ سے وہ ایک فانی مخلوق بن جاتے ہیں نہ کہ ایک ازلی خدا، اسی طرح خداؤں کا متعدد ہونا بھی خدا کے کمال کے منافی ہے کیونکہ ہر خدا اپنی اثر اندازی کے مطابق دوسرے خدا کے دائرہ کار میں مداخلت اور کمی کا سبب بنے گا جو خدا ہونے کا منافی ہو گا، یا اگر اختیار ایک خدا کے لئے ثابت کر کے دوسرے خداؤں سے منفی کیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کر کے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم سے منفی کیا جائے تو اس سے خود ان کے خدا ہونے کا نظریہ باطل ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ متعدد خداؤں کا نظریہ عقلی طور پر بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں متضاد چیزوں کا ایک جگہ اجتماع لازم آتا ہے جو کہ ناممکن ہے۔

Beacon of Knowledge

رہے وہ نظریات جن کا تعلق خارجی حقائق سے ہے تو وہ فقہی مباحث ہیں جن کے حصول کا طریقہ نصوص شرعیہ، اس کے اصول وضوابط، اس کی تفہیم کے ذرائع (جیسا کہ عربی زبان) ہیں نہ کہ عقل اور تجربہ۔

یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہم اس صحیح عقل کے نتائج کو لیں جو کہ صحیح طریقے سے ثابت شدہ شریعت سے متعارض نہ ہو۔ یہ بات اس وجہ سے نہیں کہی جاسکتی ہے کہ یہاں مسئلہ بالادستی کا ہے نہ کہ حکم کا، یعنی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنا قطع نظر اس کے کہ عقل صحیح حل دریافت کر سکتی ہے اور صحیح طریقہ ایجاد کر سکتی ہے یا نہیں؟ لہٰذا اصل حاکمیت شریعت کی ہی ہے نہ کہ عقل کی، اگرچہ بعض مسائل میں عقل کا فیصلہ شرعی رائے کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

{أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ }[47]

ترجمہ: کیا ان کے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ چیزیں مشروع کی ہوں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔

{وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ}[48]

---

[47] [الشوری: 21]

[48] [الرعد: 41]

ترجمہ: ہر حکم اللہ دیتا ہے کوئی نہیں ہے جو اس کے حکم کو توڑ دے۔

اگر سالم عقل شرعی معلومات حاصل ہو سکنے کا ذریعہ ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ کو رسول اور نبی بھیجنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کمی اور شریعت سے متصادم اتار چڑھاؤ کے ساتھ موصوف کر کے انسان کا تذکرہ کرتے، جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے:

{قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ }[49] (خدا کی مار ہو ایسے انسان پر وہ کتنا ناشکرا ہے)

{ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ}[50] بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے)

{ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ}[51] (انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ آگے کی زندگی میں گناہ کرے)

{ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى}[52] (ہر گز نہیں، بے شک انسان سرکشی پر اتر آتا ہے)

{ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا}[53] (انسان بڑا جلد باز ہے)

{ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا}[54] (حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے)

{وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا}[55] (انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے)

{وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا}[56] (اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل)

Beacon of Knowledge

{وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا}[57] (انسان نے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھا لیا، بے شک وہ اپنے ظلم کرنے والا نادان ہے)

{ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا}[58] (تمام چیزوں میں انسان ہی زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے)

{إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ}[59] (بے شک انسان گھاٹے میں ہے)

---

[49] [عبس: 17]

[50] [العاديات: 6]

[51] [القيامة: 5]

[52] [العلق: 6]

[53] [الإسراء: 11]

[54] [المعارج: 19]

[55] [النساء: 28]

[56] [الإسراء: 100]

[57] [الأحزاب: 72]

[58] [الكهف: 54]

{ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ }[60] (جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ پوری طرح اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر ان سے دعاء مانگتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نعمت عطاء کرتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے جو پہلے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے ساتھ شریک بناتا ہے تاکہ وہ اللہ کے راستے سے گمراہ کرے)

{فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ (15) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ }[61] (انسان کو جب اللہ تعالیٰ آزماتا ہے اور اس کا اکرام کرتا ہے اور اسے نعمت دیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری تکریم کی، جب کہ اس کا یوں آزماتا ہے کہ کہ اس کی روزی کم کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی)

ان آیات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنی سوچ وفکر میں جتنی بھی استقامت حاصل کرے لیکن وہ پھر بھی کمال کے اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا ہے جو شریعت سازی کے لئے مطلوب ہے اور انسانی عقل اور رجحانات میں موجود مذکورہ بالا عیوب سے نہیں چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

نیز وہ چیز جو مفادات سے متعلق موقف کی تعیین کرتی ہے وہ افعال میں موجود مدح وذم ہے نہ کہ عقل کے مطابق ان افعال میں موجود اچھائی اور برائی۔ اور کسی کام کی تعریف یا مذمت شریعت کا کام ہے نہ کہ انسانی عقل کا، کیونکہ تعریف کا نتیجہ ثواب ہے جبکہ مذمت کا نتیجہ سزاء ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ کسی انسان کا۔ اسی بنیاد پر یہ بات طے ہے کہ مصالح کی تعیین عقل اور تجربے کے بجائے صرف شریعت سے ہی ہو سکتی ہے۔

Beacon of Knowledge

چوتھی بات: عربی قرآن کریم کی زبان ہے اس لئے قرآن کریم سے احکام کا استخراج الفاظ جن معانی اور مفہوم کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان کے مطابق ہی ہو گا نہ کہ عقل، تجربہ اور خارجی حقائق کی بنیاد پر۔

اس کے لئے عربی زبان کی منتقلی میں صرف ان لوگوں کی رائے اختیار کی جائے جو عربی زبان کے حوالے سے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو کہ وہ اصل عرب ہیں جو عربی زبان پر فساد طاری ہونے سے قبل کی خالص عربی زبان بولتے تھے۔ جن میں سے کچھ لوگ چوتھی صدی ہجری تک رہے تھے جو دیہاتوں میں رہتے تھے اور ان کی زبان میں بگاڑ نہیں آئی تھی، اس لئے ان کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ وہ ان کی اصطلاح ہے۔

یہ جائز نہیں ہے کہ عقل، تجربے اور جدید خارجی صورتحال قرآنی الفاظ کا مفہوم طے کریں، کیونکہ یہ مسئلہ عقل اور ادراک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس بات سے تعلق ہے کہ عربوں نے وہ الفاظ کونسے معانی کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں امام

---

[59] [العصر: 2]

[60] [الزمر: 8]

[61] [الفجر: 15، 16]

رازیؒ کا قول ہے کہ "لغت کو پہچاننے کا طریقہ یا تو محض منقولی ہے جیسا کہ اکثر لغت کا تعلق ہے، یا کبھی لغت کی پہچان اس عقلی بات سے بھی ہو سکتی ہے جو کہ کسی منقولی قاعدے سے حاصل شدہ ہو، مثلاً یہ بات منقول ہے کہ وہ جمع کا لفظ جس کے شروع میں "الف لام" ہو اس کے اوپر استثناء داخل ہو سکتا ہے، نیز یہ بھی منقول ہے کہ استثناء کا مطلب یہ ہے کہ لفظ جن پر مشتمل ہے ان کو نکالنا، ان دونوں منقولی قاعدوں کو ملا کر عقل نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب کسی جمع کے لفظ پر "الف لام" داخل ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جمع عموم کے لئے ہو گا، البتہ صرف عقل لغت کو پہچاننے کے لئے کافی نہیں ہے۔

باقی یہ قاعدہ کہ "اعتبار مخصوص سبب کے بجائے الفاظ کے عموم کا ہے" جس کی رو سے شرعی احکام ہر زمان و مکان کے لئے نافذ ہوتے ہیں تو یہ بھی لسانی اور فقہی مسئلہ ہے جس کا عقل اور تجربے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے استنباط اور اس کے ثبوت کا طریقہ بھی فقہ اصول فقہ اور لغت ہے نہ کہ تجربہ اور عقل۔

اس کے لئے مثال درج کی جا رہی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت میمونہؓ کی مردار بکری پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اِیما اِھاب دبغ فقد طھر، یعنی جس بھی کھال کو رنگا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے) اب یہاں حکم کا تعلق "اھاب یعنی چمڑے" سے ہے نہ کہ حضرت میمونہؓ کی خاص بکری سے۔ اگر یہ حکم خاص حضرت میمونہؓ کے لئے ہی ہوتا تو آپ ﷺ اس کی صراحت کرتے جیسا کہ ایک موقع پر حضرت بردہؓ سے فرمایا تھا کہ (ضح بھا، ولا تصلح لغیرک) یعنی آپ اس کی قربانی کر لیں، لیکن یہ آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے صحیح نہیں ہے۔ لہذا اب رنگنے کے ذریعہ کھال کی صفائی کا حکم ایک عام حکم ہے جو ہر چمڑے کے لئے ہے نہ کہ خاص حضرت میمونہؓ کی بکری کے لئے۔

Beacon of Knowledge

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ (وأحل اللہ البیع، یعنی اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کر دیا ہے) اس کا تعلق خرید و فروخت کی تمام قسموں سے ہے، سوائے ان قسموں کے جن کے حرام ہونے سے متعلق کوئی دوسری دلیل آئی ہو، تو وہ قسمیں ان دلائل کی وجہ سے حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہوں گی۔

باقی تجرباتی منطق جسے بعض سیکولر لوگوں نے ہٹ دھرمی سے عموم و خصوص کے اس قاعدے پر جاری کیا ہے تو وہ درحقیقت مادی اشیاء میں خاص سے عام کی طرف منتقل ہونے کے لئے صحیح ہے نہ کہ شرعی احکام، اس کے اصول اور قواعد میں؛ کیونکہ تجرباتی منطق کا تعلق چیزوں کی حقیقت اور ان کی خصوصیات سے ہے نہ کہ ان پر شرعی حکم لگانے سے۔ اسلئے خاص سے عام کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے شراب کا حکم ہر نشہ آور چیز پر منتقل ہو سکتا ہے، جس طرح کہ حرارت کی وجہ سے دھات کے پھیلنے اور مخصوص برتن میں مخصوص درجہ حرارت پر پانی کے ابلنے کا قاعدہ عام ہے۔

لیکن شراب کے اوپر شرعی حکم لگانے کا تعلق اس کے بارے میں وارد شدہ دلائل کے الفاظ کے عموم و خصوص، سیاق و سباق اور قرائن وغیرہ سے ہے۔ اس وجہ سے فقہی احکام اور قواعد صرف شرعی دلائل سے لئے جاتے ہیں، جو کہ اصل میں عربی زبان میں ہے جس میں عام و خاص، مطلق و مقید، مبہم اور واضح اور ناسخ و منسوخ ہر طرح کے دلائل ہیں۔

اب جب کسی حکم شرعی کو عام کرنے کی غرض سے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں تجربے سے متعلق علوم اور اس کے قوانین کے بجائے عربی زبان کے قواعد میں عموم و خصوص کے لحاظ سے غور کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ قاعدہ کہ "اعتبار مخصوص سبب کے بجائے الفاظ کے عموم کا ہے" بالکل صحیح قاعدہ ہے، کیونکہ یہ استنباط کے صحیح طریقہ یعنی لغت اور فقہ واصول فقہ کے قواعد کے مطابق ہے، اگرچہ یہ عقل، خارجی حقائق اور تجربے کے مطابق نہ ہو۔

اگر الفاظ کے عموم کا اعتبار نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کبھی بھی حضرت ابو بکرؓ کے خلاف مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد نہ کرنے کے لئے اس حدیث سے استدلال نہ کرتے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کروں تاوقتیکہ وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، جب وہ یہ بات کہیں گے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلے میں مجھ سے امان پائیں گے (سوائے حق طریقے سے) اور ان کا حساب اللہ پر ہو گا۔" نیز حضرت ابو بکرؓ ان کی اس بات کی تردید کرتے، حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تردید کرنے کے بجائے صرف اتنا کہا کہ اسی حدیث میں (الا بحقہا) کے الفاظ بھی ہیں۔

مزید یہ کہ صحابہ کرامؓ نے بھی چوری، زنا، لعان وغیرہ دیگر شرعی احکام میں واقعہ کے مخصوص سبب کے بجائے الفاظ کے عموم پر عمل کیا ہے، گویا یہ ان کی طرف سے اس قاعدے کے صحیح ہونے کی دلیل اور اس پر اجماع ہے۔

اس وجہ سے شرعی قواعد کو فلسفہ، منطق اور سائنسی علوم سے ثابت کرنا ایک سخت غلطی اور شریعت کی فہم میں انحراف کے مترادف ہے۔

Beacon of Knowledge

نیز شرعی دلائل کو سمجھنے کے لئے فقہ اور لغت کے قواعد جاننا ضروری ہے؛ کیونکہ فقہی علوم اور اصول دین کی معرفت کے ہی صحیح ذرائع ہیں، بالخصوص اس تناظر میں کہ جن الفاظ اور جملوں کی بنیاد پر شرعی دلائل کو سمجھا جاتا ہے اور وہ شرعی قواعد کے لئے بنیاد فراہم کر رہے ہیں وہ درحقیقت ذہنی معانی پر دارومدار رکھتے ہیں نہ کہ تجرباتی معانیوں پر۔

عربی زبان ایک مقرر کردہ زبان اور اصطلاح ہے، جو قدیم عربوں کے ہاں پختہ ہو چکی تھی، انہیں کی اصطلاح کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے، اس لئے وہی لغت قرآن کریم کی تفسیر کے لئے معیار بنی ہے۔ لغت کو حاصل کرنے کا طریقہ منقولی طریقہ ہے نہ کہ عقل اور تجربہ۔ لہذا عربی زبان کو قرآنی آیات کی تفہیم اور شرعی قواعد کی بنیاد سے کاٹنے، یا اس کو عربوں کے ہاں اس کے مقرر کردہ مفاہیم سے تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہر زمانے میں ایک ایسی وحی کی ضرورت لازم کی جائے جو اس زمانے کی زبان میں ہو، جو کہ بدیہی طور پر ایک محال اور ناممکن بات ہے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ قرآنی تفہیم میں سائنسی علوم کو معیار بنانے کو مسترد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام سائنس اور اس کے حقائق سے متضاد ہے، بلکہ یہ درحقیقت صرف شرعی دلائل میں موجود احکام وعقائد کی تفہیم اور اثبات میں فلسفہ ومنطق کے قواعد اور سائنس کے عمل دخل کو مسترد کرنا ہے، کیونکہ فلسفہ، منطق اور سائنسی علوم وغیرہ شریعت کی تفہیم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

باقی حقیقت میں سائنسی حقائق اور شریعت میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حقائق کا(ان کے حصول کے ذریعہ سے قطع نظر کرکے) آپس میں تضاد ہو جائے، لہذا اگر سائنسی تجربات سے حاصل شدہ نتائج کا عقلی طور پر یقینی ثابت شدہ دلیل (جیسے قرآن کریم) سے تعارض اور ٹکراو ہو جائے تو پھر ظنی نتائج کو مسترد کرکے قرآن کریم سے ثابت شدہ یقینی حقائق کو قبول کرلیا جائے گا۔

باقی رہی بات ان حقائق کی جو تجربات سے یقینی طور پر ثابت شدہ ہو تو وہ کبھی بھی اسلام کے یقینی حقائق سے متضاد نہیں ہوسکتے ہیں سوائے ان لوگوں کے خیال کے جن کا اسلام پر بھروسہ نہیں اور جنہوں نے فلسفہ اور تجربے پر مبنی سائنسی طریقہ کار کو اللہ تعالیٰ کے سوا وحی کا ذریعہ سمجھا ہے اور جنہوں نے فلسفے کے ظنی نتائج کو قداست بخشی ہے، اس طرح ان لوگوں کے خیال میں بھی جنہیں اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ یقینی سائنسی نتائج کا ٹکراؤ صرف ان دلائل سے پیش آسکتا ہے جو کہ ظنی ہیں، کیونکہ جو ظنی شرعی دلیل ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہاں شریعت قطعی حکم کے بجائے قرائن اور سیاق وسباق پر حکم چھوڑتی ہے۔ ان قرائن میں سے ایک سائنس بھی ہے جس کی روشنی میں بعض ظنی شرعی دلائل کا مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے، ایسی صورتحال میں سائنس سے حاصل شدہ نتائج شرعی دلائل کے مفہوم طے کرنے میں ایک قرینہ کا کام دیں گے۔ یہاں یہ بات معلوم رہے کہ وہ ظنی مسائل جن کا تعلق عقیدہ سے ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کے عقیدے میں ایمان کا حصہ نہیں ہے، یعنی ان کی یقینی تصدیق نہیں کی جاتی ہے کیونکہ عقیدے کے ثبوت کے لئے یقینی دلیل کا موجود ہونا ضروری ہے۔

Beacon of Knowledge

آخر میں اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ دراصل نظریات پر تنقید کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کھرے کو ثابت کرنے اور کھوٹے کو ختم کرنے کے لئے کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کے لئے نظریات پر تنقید کی جائے، دوسری یہ کہ تنقید کو شک میں ڈالنے، باطل کو حق کے برابر لا کھڑا کرنے، معمولی مقدار کی کھوٹی روایات کی وجہ سے وحی پر یقین ختم کرنے کے لئے تنقید کی جائے۔ تنقید کی ان دونوں صورتوں میں فرق کرنا ضروری ہے، کیونکہ تنقید کا لفظ "نقد" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے "کھرے سونے کو کھوٹے سونے سے الگ کرنا"۔ ظاہر ہے کہ جدت پسندی کے دعویداروں اور علمی ورثہ کی تطہیر کے علمبرداروں نے یہ کام کبھی بھی نہیں کیا ہے، اس کے بجائے ہم جابجا دیکھتے ہیں کہ انہوں نے شرعی روایات کو اپنا نشانہ بنایا ہے جبکہ سائنسی اور ظنی تجرباتی روایات کو کبھی بھی نہیں چھیڑتے ہیں۔

باوجودیکہ سائنسی سوسائٹی سابقہ تحقیقات کو ایسی معلومات اور خبروں کا درجہ دیتی ہے جن سے وہ دلیل بھی پیش کرتی ہے اور اس کی بنیاد پر نظریات بھی قائم کرتی ہے، بالکل ایسا ہی جس طرح کہ فقہ اور تاریخ کے علماء روایات کے ساتھ کرتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ اسلام میں روایت کے ایسے اصول مقرر ہیں جنہیں اگر دوسری قوموں اور ملتوں کی تاریخ پر لاگو کیا جائے تو ان میں سے کسی کی کوئی تاریخ باقی نہیں رہے گی۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ تجربے سے متعلق معلومات کا حصول (جیسے کائنات اور انسان کی پیدائش) ہر کسی کو میسر نہیں ہے، بلکہ صرف علماء اور سائنسدانوں کو حاصل ہوتا ہے جسے وہ روایت کے ذریعہ

سارے لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور لوگ انہیں تسلیم بھی کر لیتے ہیں بغیر اس کے کہ جرح وتعدیل یا دیگر سائنسی اصولوں پر ان کی ایجاد اور ان کی سند کی چھان بین کریں۔

حقیقت میں یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ وہ کسی طرح سے سائنسی انداز فکر کو ترجیح دیکر اسے وحی کے قائم مقام ثابت کریں، جس کے لئے انہوں نے ربوبیت اور الحاد دونوں سے متعلق سیکولر نظریات کی پرچار کے لئے عقل اور سائنس کو قداست کا لباس پہنایا، کیونکہ تجرباتی اور سائنسی انداز فکر غیبی امور کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی وہ وحی کو معلومات کے حصول اور امور زندگی کو منظم کرنے کا ذریعہ مانتے ہیں۔ صرف یہی ایک نکتہ اس بات کے لئے کافی ہے کہ جدت پسندوں اور روشن خیالوں پر اس بات کا الزام لگایا جائے کہ انہوں نے آپس میں دین کو کمزور کرنے، مسلمانوں میں سیکولرازم اور یورپی شعور پھیلانے پر باہمی اتفاق کیا ہے۔

حدیث کی حجیت:

چونکہ یقینی اور قطعی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، نیز ایسی آیات بھی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تاکید کرتی ہیں، اس لئے حدیث کی حجیت پر ایمان رکھنا عقیدے کا لازمی حصہ ہے، جس کا نہ ماننا ملت اسلامیہ اور دائرہ اسلام سے خروج اور کفر ہے۔

Beacon of Knowledge

اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین مبارکہ:

{رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ}[62]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ رسولوں کی بعثت کے بعد لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے۔

{ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ}[63]

ترجمہ: بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

{وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ}[64]

ترجمہ: بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

یہ آیات کریمہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے افعال، اقوال اور نبوت سے متعلق معاملات میں خاموش رضامندی وحی اور دین ہو، کیونکہ اگر دین، حجت اور ہدایت کو نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور نبوت سے متعلق معاملات میں خاموش رضامندی میں مجسم تسلیم نہ کیا جائے، اور اگر اس کو وحی نہ مانا جائے تو پھر رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

---

[62] [النساء: 165]

[63] [الشوری: 52]

[64] [القلم: 4]

طرف سے لوگوں پر کوئی حجت نہیں ہو گی، کیونکہ حجت، دین اور ہدایت ہونے کا لازمی تقاضہ ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور رسالت موجود ہوں۔

کیونکہ یہ بات یقینی امور میں سے ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے والا ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی نبوت ثابت ہونے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے میں غلطی سے معصوم ہیں، تو صرف یہ معصوم ہونے کا ثبوت ہی بذات خود سنت اور حدیث کی حجیت کے لئے کافی ہے۔ جس کے بعد ہمیں صرف یہ بات ثابت کرنی پڑتی ہے کہ حضور ﷺ اللہ کے پیغمبر اور نبی ہے جس سے یہ خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ وہ جن چیزوں کی خبر دیتے ہیں وہ در حقیقت وحی الٰہی ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی صرف قرآن ہے اس دعویٰ کی صداقت پر کوئی دلیل نہیں ہے، یہ محض ایک زبردستی، تکلف اور شرعی دلائل میں ہیر پھیر کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں منع فرمایا ہے:

{وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ (8) ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ}[65]

ترجمہ: لوگوں میں سے چند لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں، وہ اپنی گردن کو موڑتا ہے کہ اللہ کے راستے سے گمراہ کرے، اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ہم اسے آگ کا عذاب چھکائیں گے۔

Beacon of Knowledge

امام مجاہد، قتادہ اور امام مالک نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ (ثانی عطفہ) سے مراد گردن موڑنے والا شخص ہے۔

نیز یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کرامؑ کو بھی وحی بھیجی ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کریم نہیں بھیجا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی صرف قرآن کریم ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ }[66]

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح کہ ہم نوح اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف وحی بھیجی۔

یہاں یہ بات کہنا درست نہ ہو گا کہ یہ صرف حضرت محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے یا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو صرف قرآن کی وحی کی ہے، یہ کہنا اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ کوئی ایک بھی دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ اللہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو صرف قرآن کی وحی آئی ہے، البتہ اس بات کے دلائل ہیں کہ قرآن اللہ کی وحی کا حصہ ہے نہ کہ ساری وحی صرف قرآن ہے۔

---

[65] [الحج: 8، 9]

[66] [النساء: 163]

لہذا سنت (نبی کریم ﷺ کا قول، فعل اور رسالت سے متعلق معاملات میں سکوت کے ذریعہ رضامندی) بھی قرآن کریم کی طرح شرعی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی رسالت اور نبوت پر یقینی دلائل موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ نبوت کا معنیٰ اللہ کی طرف سے وحی آنے کے ہیں۔ اب صرف قرآن کریم پر اکتفاء کرکے سنت مطہرہ کو چھوڑنے کا عقیدہ ایک صریح کفر ہے جو اسلام سے باہر نکل جانے والوں کی رائے ہے۔

مزید یہ کہ خود قرآن کریم کا اثبات حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کے فرمان کے ذریعہ ہی پتہ چلا کہ آپ ﷺ جو تلاوت فرمارہے ہیں وہ قرآن کریم ہے، نیز یہ کہ سورتوں کی ترتیب ایسی ہے جسے انسانی عقل اپنی طرف سے نہیں بناسکتی ہے۔ اگر وحی کے بغیر نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے سورتوں کی ترتیب مقرر فرماتے تو اس کی وجہ سے قرآنی نظم میں بے نظمی پیدا ہوجاتی۔ نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرامؓ کو یہ فرمانا کہ (ضعوا هذه الآية في السورة كذا: یعنی اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو) یہ بھی حدیث ہے نہ کہ قرآن، اس لئے سورت اور آیات کی جگہوں سے متعلق نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیمات نفس آیات کی طرح خود بھی وحی ہیں۔ اگر یہ آیتوں کی ترتیب وحی سے نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ کو سورتوں میں ان کی جگہوں کا علم نہ ہوتا، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی تالیف نہیں ہے۔ اس کی مثال مسند احمد بن حنبل کی وہ روایت ہے جس میں حضرت عقبہ جہنیؓ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی آیت (فسبح باسم ربک العظیم) نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے رکوع میں رکھو، اس کے بعد جب دوسری آیت (سبح اسم ربک الاعلی) نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدوں میں رکھو۔ اب اس مسئلے سے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کو رکوع اور سجدے میں پڑھو، یہ ایسا قول ہے جس کا عقل بذات خود ادراک نہیں کرسکتی ہے اور نہ ہی وحی کے بغیر اس کو ثابت کرسکتی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات بھی وحی ہی تھے۔

Beacon of Knowledge

لہذا نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے جو قرآن ارشاد فرمایا ہے وہ بھی وحی ہے اور آیات اور ان کی ترتیب سے متعلق ارشادات بھی قرآن کے علاوہ ایک اور وحی ہے۔

اب یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ قرآن کریم چونکہ ایک اعجاز والی کتاب ہے اس لئے خود اس کے الفاظ ہی اس کے قرآن ہونے پر دلالت کرتے ہیں، قرآن کریم کے ثبوت کے لئے سنت مطہرہ کی ضرورت نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اور اعجاز سے صرف اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اس سے مزید یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کتاب کے دو جلدوں کے درمیان موجود مواد قرآن کریم ہے، نہ ہی اس سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ حادثات اور واقعات کے مطابق وقفے وقفے سے نازل ہونے والی آیات کی ترتیب کیا ہے کیونکہ ان آیات کی ترتیب کا علم حضور ﷺ کی اطلاع سے دینے سے ملتا تھا۔ نیز قرآن کریم کے اعجاز کا ظہور انفرادی طور پر نازل ہونے والی آیتوں میں نزول کے وقت ظاہر نہیں ہوتا تھا بلکہ جب ان سے پوری سورت بن جاتی تھی تب اعجاز ظاہر ہوجاتا۔ اس لئے ایک آیت جس کے قرآن ہونے کا ثبوت اعجاز سے نہیں ہوتا تھا اس کے قرآن میں سے ہونے کا ثبوت حدیث اور سنت سے ہوا تھا۔

اب شاید کوئی کہنے والا یہ کہے کہ کہ خود نبی کریم ﷺ کی نبوت اس وقت تک ثابت نہیں ہوئی جب تک کہ قرآن کریم کا اعجاز اور اس کے وہ الفاظ جو ماسوا سے عالی ہے کے ذریعہ نبوت کا ثبوت نہیں ہو چکا تھا؟ یہ صحیح ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ خود رسالت اور نبوت کا ثبوت تو کامل قرآن اور اس کی کامل سورتوں کے ذریعہ ہوا، البتہ ایک آیت یا آیت کے ٹکرے کے ثبوت میں چونکہ نظم قرآنی اور معجزہ ظاہر نہیں ہوتا تو اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے ہوا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "نقل" کی دلیل "منقول" کی دلیل کے علاوہ ہے، یعنی وحی کے ذریعہ قرآن کے منتقل ہونے کی دلیل تو نبوت ہے، البتہ جو منقول ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں: کچھ تو وہ ہیں جو بذات خود معجزہ ہے جیسا کہ کامل سورت، جبکہ کچھ وہ ہے جو اگرچہ عالی الفاظ پر مشتمل ہے لیکن چونکہ وہ پوری سورت نہیں ہے اس لئے وہ بذات خود معجز نہیں ہے، جبکہ کچھ ان کے علاوہ ہیں، مثلاً جیسا کہ بہت سی وہ آیات جو ٹکڑے ٹکڑے کرکے وقفے وقفے سے نازل ہوتی تھیں تو جب تک ان سے سورت مکمل نہ ہو جاتی۔ اب کامل سورتوں کی سچائی کی دلیل تو اعجاز قرآنی ہے، لیکن وقفے وقفے سے نازل ہونی والی آیات کے ٹکڑے جن میں اعجاز اور عالی الفاظ کا ثبوت ظاہر نہیں تھا تو خود ان کی اور ان کی ترتیب دونوں کی دلیل نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (وما ینطق عن الھوی: یعنی نبی کریم ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے)۔ اس کی مثال قرآن کریم کی آیت (القارعۃ:) ہے یہ اگرچہ ایک آیت ہے لیکن یہ بذات خود معجز نہیں ہے اب اس کے قرآن میں سے ہونے یا نہ ہونے کا ثبوت اس نبی کے واسطے سے ہوگا جن کی نبوت کا ثبوت قرآن کریم کے ظاہر الفاظ (جو کہ عربوں کے ہاں متعارف زبان سے بہت عالی تھے) سے ہو چکا ہے اور جس کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت سے یہ ثابت ہے کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے ہیں۔

Beacon of Knowledge

اس لئے یہ نہ کہا جائے کہ صرف قرآن کریم کے معجز ہونا ہی قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل ہے، کیونکہ خود قرآن کریم کو ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس کا تعارف کرائیں اور اس کی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کے بارے میں بتائیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ نبیؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، ارشاد ہے کہ:

{وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى (1) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى (2) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (3) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى}[67]

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

اس مسئلے میں دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی چند آیتیں ایسی ہیں جو اپنی ذات میں معجز نہیں ہیں، اس لئے ان کو قرآن کا حصہ قرار دینے اور قرآن کریم میں ان کی سورتوں کی ترتیب کے لئے قرآن کے علاوہ کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔ پھر چونکہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے ذریعہ سورتوں میں ان کی ترتیب معلوم ہو جائے اس لئے نبی کریم ﷺ کا ان

---

[67] [النجم: 1 - 4]

آیات کو بیان کر کے سورتوں میں ان کی ترتیب بتانا خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ سنت نبوی قرآن کریم سے مستقل ہو کر بھی وحی ہے۔ یعنی یہ کہ سنت بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہے، اور چونکہ وقفے وقفے سے نازل ہونے والی آیات کا اعجاز سورتوں میں ترتیب سے رکھنے سے قبل ظاہر نہیں تھا جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات سے بیان فرمایا جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ جو قرآن کریم کی تبیین کا فریضہ تھا تو وہ صرف اس کے الفاظ کی ادائیگی اور لوگوں تک اسے پہنچانے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کی آیتوں کے ثبوت اور سورتوں میں ان کی ترتیب پر گواہی اور اس کے احکام کی تفصیل بھی اس کا حصہ تھا۔ اس ساری تفصیل سے قرآن کریم کی تفسیر میں ان لوگوں کا خود ساختہ طریقہ کار باطل ہو جاتا ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ حدیث قرآن کے علاوہ وحی کی ایک مستقل قسم ہے۔

اگر بیان سے مقصود یہ ہوتا کہ قرآن کریم خود ہی اپنے آپ کو بیان کرے تو اس سے لازم آتا کہ قرآن کریم میں اس کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کی وضاحت ہوتی، اور یہ بھی لازم آتا کہ قرآن کریم کی ساری آیتیں معجز ہوتی اور یہ کہ بندوں کے تمام افعال سے متعلق احکام قرآن کریم میں ہوتے جو کہ ظاہر ہے قرآن کریم کی حقیقی صورتحال کے منافی ہے۔

ایک اور اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت {وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ} (کہ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل کی کہ آپ اسے لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان کریں) کی رو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی توضیح اور بیان کی ذمہ داری نبی کریم ﷺ کی ہے، اس میں "تبیین" سے مراد قرآن کریم کے اجمالی الفاظ کی تفصیل، مطلق کو مقید کرنا، اور عام کو خاص کرنا ہے۔ اگر یہاں "بیان" سے مراد قرآن بولنا اور اس کے الفاظ سکھانا مراد لیا جائے (جیسا کہ منکرین حدیث کا خیال ہے) تو پھر مذکورہ الفاظ (لتبین للناس مانزل الیہم) کی جگہ یہاں آیت کے الفاظ یوں ہوتے (لتبینہ للناس، یعنی آپ قرآن لوگوں کے لئے بیان کریں) نیز اس آیت میں (نُزِّل، یعنی نازل کیا گیا) کے الفاظ جو فعل مجہول کے لئے استعمال ہوتے ہیں سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کریم میں کچھ تفصیلات مخفی رکھی گئی ہیں جنہیں کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے، جیسے نماز، روزہ زکوۃ اور حج کے مسائل واحکام۔ اسکی ایک مثال آیت مبارکہ (حرمت علیکم المیتۃ یعنی تمہارے اوپر مردار جانور حرام کئے گئے ہیں) کے عموم سے سمندری جانور خاص کر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ (اس کا پانی پاک اور اسکا مردار حلال ہے)۔ اسی طرح وصیت کے عمومی حکم میں تخصیص کر کے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ (وارث کے لئے وصیت نہیں کی جاسکتی ہے)۔ اب اگر اس تخصیص کو وحی تسلیم نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ نبی کریم ﷺ نے (نعوذ باللہ) الٰہی حکم میں ترمیم کر کے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے خود ساختہ بات کہی ہے جس کے بارے میں آیت کریمہ ہے کہ:

{وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ }[68]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرتا ہے، کوئی نہیں اس کے حکم کو روک سکے۔

{وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ (44) لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ (45) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ }[69]

---

[68] [الرعد: 41]

Beacon of Knowledge

ترجمہ: اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

ایک طرف جب ہم ان دو آیات کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی اس معاملے میں کوئی سزا نہیں دی تو اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جو بھی فرمایا ہے وہ وحی ہے اور اللہ کی طرف سے قرآن کی شہادت کی رو سے مصدقہ ہے۔

اب اس بات کا ثبوت کہ خود قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا راستہ عقل اور اس کی دلیل سورتوں کے مکمل ہونے کے بعد اس کا معجز ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے آیت کریمہ (الیوم أکملت لکم دینکم۔۔۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا) سے مراد قرآن کریم کے اعجاز کی تکمیل لی ہے۔

پھر یہ کہ حدیث کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہونا خود قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، مثلا:

{قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ} [70]

{إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ} [71]

{قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَى إِلَيَّ مِنْ رَبِّي} [72]

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (3) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى} [73]

Beacon of Knowledge

ان سب کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے میری رب کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔ اور یہ کہ نبی کریم ﷺ جو بھی فرماتے ہیں وہ خواہش کی بناء پر نہیں، بلکہ وحی ہوتی ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

ان آیتوں کا ثبوت یقینی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آیات اس بارے میں یقینی طور پر دلالت بھی کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے یا جس راستے پر چلے ہیں یا جس چیز سے ڈرایا ہے، اور رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے جو اس سے متعلق ہیں، یہ ساری چیزیں وحی میں منحصر ہیں جن میں کوئی تاویل بھی نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہی ہے۔

رہی یہ بات کہ قرآن کریم کی طرح سنت کی اتباع بھی واجب ہے تو وہ بھی قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، مثلا درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

{وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [74]

---

[69] [الحاقة: 44 - 46]

[70] [الأنبياء: 45]

[71] [الأنعام: 50]

[72] [الأعراف: 203]

[73] [النجم: 1 - 4]

ترجمہ: رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

{مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ}[75]

ترجمہ: جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

{وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ}[76]

ترجمہ: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسول کسی معاملے میں فیصلہ کرے تو ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔

{فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا}[77]

ترجمہ: تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ آپس کے اختلافات میں آپ ﷺ کو ثالث نہ بنائیں، پھر آپ ﷺ جو فیصلہ کرے اس سے دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور اسے اچھی طرح تسلیم کرے۔

{قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ}[78]

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیں کہ تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ}[79]

Beacon of Knowledge

ترجمہ: ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس مقصد کے لئے اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

{قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ}[80]

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور وہ تمہارے گناہ معاف کرے گا۔

{فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ }[81]

---

[74] [الحشر: 7]

[75] [النساء: 80]

[76] [الأحزاب: 36]

[77] [النساء: 65]

[78] [آل عمران: 32]

[79] [النساء: 64]

[80] [آل عمران: 31]

[81] [النساء: 59]

ترجمہ: پھر اگر تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سامنے پیش کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ ساری آیات اس بارے میں بالکل صریح اور واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو لایا ہے اس میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت شمار ہو گی۔

یہ نصوص جو کہ یقینی طور پر ثابت ہیں اور ان کا معنیٰ و مفہوم بھی یقینی ہے یہ اس بارے میں صریح ہے کہ جس طرح قرآن کریم پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح حدیث پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

اسی نوعیت کا وہ مشہور واقعہ ہے جس میں صحابہ کرامؓ نے قبلہ کی طرف منہ پھیرنے میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تھی، اور یہ قبلہ اولیٰ کی طرف منہ پھیرنا نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت سے کیا تھا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

{وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ}[82]

ترجمہ: اور ہم نے اس قبلہ کو جس کی طرف آپ نماز پڑھا کرتے تھے قبلہ صرف لئے قرار دیا تھا کہ تاکہ ہم دیکھ لیں کہ کون نبی کریم کی اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں منہ پھیرتا ہے۔

لہذا جو شخص سنت (یعنی نبی کریم ﷺ کا قول، فعل اور رسالت سے متعلق معاملات میں خاموشی کے ذریعہ رضامندی) کے وحی میں سے ہونے کا انکار کرے تو وہ قطعی کافر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کی طرح حدیث پر بھی عمل کیا جائے۔

Beacon of Knowledge

یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ہمارے پاس صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ہم صرف اس پر عمل کریں گے، کیونکہ اس سے حدیث کا چھوڑنا لازم آتا ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ حدیث کو بھی قرآن کریم کے ساتھ ملا لیا جائے، خود نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے جیسا کہ ایک مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص گدے پر ٹیک لگایا ہو گا اس کے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائیگی تو وہ کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف اللہ کی کتاب ہے، جو اس میں حلال ہے اس کو ہم حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام ہے اس کو ہم حرام سمجھیں گے۔ سنو اور خبردار رہو کہ اللہ کے پیغمبر نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہو۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: قریب ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کہے گا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو چیز اس میں حلال ہے اس کو ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں حرام ہے اس کو ہم حرام سمجھیں گے، خبردار رہو کہ جس شخص کو میری کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کو جھٹلائے تو اس نے اللہ کو بھی جھٹلایا، مجھے بھی اور اس شخص کو بھی جھٹلایا جس نے اس کو وہ حدیث بیان کی ہے۔

قرآن کریم کی نسبت سے حدیث کا مقام و مرتبہ:

---

[82] [البقرة: 143]

حدیث قرآن کریم کی وضاحت کرنے والی ہے، یعنی بعض جگہ قرآن کریم میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہوتا ہے تو ان میں سے کسی ایک معنیٰ کی تعیین حدیث سے ہی ہو سکتی ہے۔ تو ایسے موقعہ پر سنت پر عمل کر کے قرآن کے ظاہری مفہوم کو ترک کیا جائے گا تو ایسے موقعہ پر حدیث قرآن کریم کی تبیین کرنے والی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (کہ ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں ان چیزوں کو جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے) تو چونکہ قرآن کریم میں شرعی احکام کا بیان کلی انداز میں ہے، کیونکہ اکثر احکام عام، اجمالی اور مطلق الفاظ میں نازل ہوئے ہیں تفصیلی صورت میں نازل نہیں ہوئے ہیں، یہاں تک کہ جہاں پر جزئی واقعات کے بارے میں تفصیل آئی ہے تو وہ بھی ایسے الفاظ میں ہے کہ اس نوعیت کے دوسرے واقعات پر بھی وہ جاری ہو سکتی ہے۔ مثلا قرآن کریم میں ہے کہ: {فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ، یعنی اگر وہ تمہارے لئے تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو} [الطلاق:6] تو اس آیت سے ایک شرعی حکم نکلتا ہے کہ اگر مطلقہ خاتون بچے کو دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق ہے۔ نیز اسی آیت سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ہر مزدور (خواہ وہ کسی خاص شخص کا ملازم ہو یا عمومی طور پر پیسے لیکر لوگوں کے لئے کام کرتا ہو) اجرت کا مستحق تب ہو گا جب وہ اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ تو چونکہ قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے اور اس کی جامعیت اس وقت تک واضح نہیں ہو گی جب تک کہ اس میں کلیات نہ ہو، کیونکہ شریعت قرآن کریم کے نازل ہونے کے ساتھ ہی تام اور مکمل ہو چکی ہے۔

حدیث بذات خود زیادہ ہونے اور کثیر مسائل پر مشتمل ہونے کے باوجود قرآن کریم کے لئے توضیح کا کام کرتی ہے، نیز حدیث میں جو بھی ہوتا ہے اس کی اصل جڑ قرآن کریم میں بھی ہوتی ہے، جسے حدیث نے اجمالی یا تفصیلی یا دونوں طریقوں سے واضح کیا ہوتا ہے، اسی حساب سے کہا جاتا ہے کہ حدیث توضیح و تشریح کے طور پر قرآن کریم کے لئے قاضیۃ (ختم کرنے والی) ہے۔

Beacon of Knowledge

مثلا جن خواتین کے ساتھ نکاح حرام ہے ان کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ:

{حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا}[83]

ترجمہ: تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری زیر پرورش تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام

---

[83] [النساء: 23]

ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرلو البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا تو وہ ہو چکا، بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس آیت کے بعد والی آیت میں مذکورہ خواتین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (وَأُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَ ذَٰلِكُمْ، یعنی ان خواتین کے علاوہ باقی ساری خواتین تمہارے لئے حلال ہیں) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان مذکورہ خواتین کے علاوہ انسان کے لئے کسی بھی خاتون سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اب حدیث آئی اور اس میں خالہ کے اوپر بھانجی اور پھوپھی کے اوپر بھتیجی کا نکاح منع کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (کہ کسی عورت کا نکاح اس کی پھوپھی اور خالہ کے اوپر نہ کیا جائے، یعنی اگر خالہ پہلے سے کسی شخص کے نکاح میں ہو تو اب اس کی بھانجی سے نکاح نہیں ہو سکتا) تو یہاں پر حدیث کے ذریعہ ہم نے قرآن کریم کا ظاہری مفہوم چھوڑ کر حدیث کو قرآن پر مقدم کر دیا ہے۔

اسی طرح قرآن کا ظاہری مفہوم میں کبھی کسی بات کا حکم ہوتا ہے، پھر حدیث کی وجہ سے اس میں تخصیص ہو جاتی ہے، مثلا قرآن کریم کی آیت میں نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے زکوۃ وصول کریں۔ یہ ایک عام حکم تھا جو ہر قسم کے اموال کے لئے جاری تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعہ اس میں تخصیص کر کے اسے ایک خاص قسم کے اموال میں منحصر کر لیا۔ جس کے بعد اس قسم کے علاوہ دوسری قسم سے سرکاری طور پر زکوۃ وصول نہیں کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح سنت میں بہت سے ایسے احکام آئے ہیں جن کا قرآن کریم میں تذکرہ نہیں ہے، لیکن یہ احکام دوسرے ایسے اصول سے ملحق ہو کر آئے ہیں جن کی بنیادیں قرآن کریم میں موجود ہیں، یہ بھی بیان کی ایک قسم ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کریم کی وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وضاحت اور تشریح کی صورتوں کا خلاصہ درج ذیل صورتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے:

Beacon of Knowledge

۱۔ قرآن کریم کی اجمالی آیاتوں کی سنت مطہرہ کی ذریعہ تشریح:

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد بار نماز کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی رکعات کی تعداد تفصیل سے بیان کی ہے اور نہ ہی اس کے اوقات، فرائض اور طریقہ کار بیان کیا ہے۔ تو حدیث مطہرہ نے اس کی وضاحت کی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ (صلوا کما رأیتمونی أصلی: یعنی تم نماز ایسی پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے) اسی طرح قرآن کریم میں حج کے وجوب کا تذکرہ ہے لیکن اس کے مناسک تفصیلی طور پر بیان نہیں کے گئے ہیں تو نبی علیہ السلام نے حج کے مناسک کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا (کہ مناسک مجھ سے سیکھو) اسی طرح زکوۃ کی فرضیت کا تذکرہ تو قرآن کریم میں ہے لیکن کن چیزوں میں زکوۃ فرض ہے اور کتنی مقدار فرض ہے، تو سنت نے اس کی وضاحت کی اور تفصیلی طور پر اس کے احکام بیان کئے۔

۲۔ قرآن کریم کے عام احکام کو مخصوص کرنا: کیونکہ قرآن کریم میں متعدد ایسے احکام آئے ہیں جو عام تھے، حدیث نے ان میں تخصیص پیدا کر کے انہیں خاص کیا۔ مثلا: اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام بیان کرتے ہوئے ایک عام حکم جاری فرمایا کہ

اولاد کو ان کے والدین کی میراث ملے گی، جس کی تفصیل اس آیت میں ہے (یوصیکم اللہ فی اولادکم: یعنی اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ان میں بیٹے کو بیٹی کے حصے سے دوگنا ملے گا) یہ آیت عام تھی جس کی رو سے ہر والد کی میراث میں سے اس کی اولاد کو حصہ ملنا تھا، یہاں حدیث نے اس آیت کو غیر انبیاء کے ساتھ خاص کیا، حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (ہم انبیاء کی میراث کسی کو نہیں ملتی ہے، جو کچھ ہم اس دنیا میں چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اسی طرح دوسری حدیث نے اس آیت میں یوں تخصیص کی جو قاتل شخص مقتول کا وارث بن رہا ہو تو قتل کے جرم کی وجہ سے وہ میراث سے محروم ہو گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ (قاتل کو میراث نہیں ملتی ہے) اس کی تیسری مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

{وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ}[84]

ترجمہ: تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے تو ان کی بیویاں چار مہینے دس دن عدت گزارے۔

اس آیت میں شوہر کے انتقال کے بعد خاتون کی عدت کا تذکرہ ہے کہ وہ چار مہینے دس دن ہے، اس عمومی حکم کو حضرت سبیعہؓ کی حدیث نے خاص کیا، کیونکہ شوہر کی وفات کے وقت وہ حاملہ تھیں، آدھے مہینے کے بعد بچے کی ولادت ہوئی تو انہوں نے سارا ماجرا حضور ﷺ سے عرض کیا، تو نبی ﷺ نے انہیں بتایا کہ ان کی عدت ختم ہو چکی ہے۔ لہذا اس حدیث نے بھی مذکورہ بالا آیت کے عمومی حکم کو خاص کرکے بتادیا کہ اس کا تعلق ایسی خواتین سے ہے جو حاملہ نہ ہو۔

Beacon of Knowledge

۳۔ قرآن کریم کے مطلق حکم کو مقید کرنا: یعنی قرآن کریم میں کئی احکام کی آیتیں ایسی ہیں کہ وہ مطلق نازل ہوئی ہیں، لیکن حدیث نے انہیں کسی مخصوص قید کے ساتھ مقید کر دیا ہے، مثلا: قرآن کریم کی آیت ہے (السارق والسارقۃ۔۔۔ یعنی چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو) اس آیت کے الفاظ ہر قسم کے چور مرد اور عورت کو شامل تھی، اب اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں جنہوں نے اس حکم کو ایک مخصوص مالیت کی چوری کے ساتھ مقید کر دیا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (کہ ہاتھ کاٹنے کا تعلق ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری کے ساتھ ہے) نیز یہ قید بھی آئی ہے کہ ہاتھ تب کاٹا جائیگا کہ جبکہ چوری شدہ مال کو کسی محفوظ مقام سے اٹھایا جائے، اسکے علاوہ دوسری شرائط جن کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے۔

۴۔ احکام کے جزئی مسائل میں سے کسی جزئی مسئلے کو قرآن کریم میں وارد بنیادی اصول کے ساتھ منسلک کرنا، جس کے بعد بظاہر یوں لگتا ہے کہ اس جزئی مسئلے سے متعلق نبی کریم ﷺ نے نئی قانون سازی کی ہے لیکن حقیقت میں اس کی بنیاد اور اصل قرآن کریم میں موجود ہوتی ہے، اس طرح کی مثالیں زیادہ ہیں۔ مثلا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ (ویحل لہم الطیبات۔۔۔ یعنی تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے) لیکن اس کی تفصیلات ذکر نہیں کی گئی ہیں، اب حدیث میں وضاحت کے ساتھ ایسی مثالیں بیان کی ہیں جن کی روشنی میں ایک مجتہد کے اوپر جب معاملہ

---

[84] [البقرۃ:234]

مشتبہ ہوتا ہے کہ یہ پاکیزہ چیز ہے یا گندی تو مجتہد کو ان احادیث سے مدد ملتی ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے صراحت سے گھریلو گدھوں اور ہر چھیڑ پھاڑ کرنے والے جانوروں اور پرندوں کو حرام قرار دیا، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے ہر کچلے والے درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے،'' اسی طرح حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن گدھوں، خچروں اور ہر کچلی والے درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت حرام قرار دیا''۔

جبکہ حدیث نے صراحت سے بیان کیا کہ خرگوش اور بجو وغیرہ پاکیزہ چیزوں میں شمار ہو کر حلال ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے بجو کے کھانے کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''کہ میں اسے حرام قرار نہیں دیتا ہوں البتہ خود بھی اسے نہیں کھاتا ہوں'' اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ ایک دیہاتی صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں ایک خرگوش لیکر حاضر ہوا، جسے اس نے بھون کر پکایا تھا، اسکے ساتھ صناب سالن وغیرہ بھی تھا، انہوں نے وہ خرگوش نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھا، آپ ﷺ نے خود تو اسے نہیں کھایا، البتہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ وہ اسے کھا لیں۔ (صناب اصل میں رائی کے دانے اور کشمش سے بننے والا ایک رنگدار چیز تھا جسے بطور سالن استعمال کرتے تھے)

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سدھائے ہوئے شکاری کتے کے شکار کو جائز قرار دیا ہے جب تک وہ خود اس میں سے نہ کھالیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس کتے کو سدھایا نہ گیا ہو تو اسکا شکار حلال نہیں ہے، اب درمیان میں اس کتے کا مسئلہ پریشان کن ہوا جو شکاری تو ہو لیکن وہ شکار کئے ہوئے جانور میں سے خود کھالیں۔ اب اگر اس کے شکاری ہونے کو دیکھتے ہیں تو اس کا تقاضہ یہ بنتا ہے کہ اس کے شکار کئے ہوئے جانور کو حلال سمجھا جائے، جبکہ اگر اس پہلو کو دیکھتے ہیں کہ چونکہ اس نے خود بھی اس جانور میں سے کھالیا ہے اور اس کا یہ کھانا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سدھایا ہوا نہیں ہے، یہاں دونوں اصول میں تعارض پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں ہم نے جب حدیث کی طرف رجوع کیا تو حدیث میں اس مشکل کا حل مل گیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اگر وہ کتا خود اس شکار میں سے کھائے تو پھر تم اس شکار کو نہیں کھاؤ، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس نے خود اپنے لئے شکار نہ پکڑا ہو''

اس کی ایک اور مثال دودھ پلانے سے حرمت نکاح کے حکم کی ہے، کیونکہ قرآن کریم کی آیت میں صرف اتنا ہے (کہ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں) حدیث نے قرآن کریم کے اس حکم کے ساتھ دودھ پلانے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دوسرے رشتوں سے بھی حرام ہونے کا حکم جاری فرمایا جو نسب میں حرام تھے، مثلاً پھوپھی خالہ بھتیجی اور بھانجی وغیرہ۔ اور اس سلسلے میں ارشاد فرمایا (اللہ تعالیٰ نے رضاعت میں بھی وہ سارے رشتے حرام قرار دیئے ہیں جو نسب میں حرام تھے)

مزید مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے کہ:

Beacon of Knowledge

{ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ }[85]

ترجمہ: تم اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ، اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ

کہ اس آیت کی رو سے مالی معاملات میں مرد کی گواہی کے ساتھ ملا کر خواتین کی گواہی قبول کی گئی ہے۔ حدیث نے اس کے گواہ کے ساتھ قسم کھانے پر فیصلہ کا حکم دیا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے، جس کی تفصیل یوں نقل کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔ یعنی ایک گواہ کے ساتھ قسم کھانے کو دوسرے گواہ یا دو خواتین گواہ کے قائمقام قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ ایک گواہ کے ساتھ دعویٰ کرنے والے کی قسم پر فیصلہ جاری فرمادیتے تھے۔

اسی طریقے کے مطابق حدیث میں بہت سارے ایسے احکام بیان ہوئے ہیں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں نہیں ہے، یہ اگر چہ فی ذاتہ نئی قانون سازی ہے لیکن قرآن کریم میں اس کی بنیاد موجود ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف ایسی نئی قانون سازی کر سکتے تھے جن کی بنیاد قرآن کریم میں موجود ہو، نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو بھی نیا حکم جاری فرمایا ہو تو اس کی اصل قرآن کریم میں موجود ہو گی، بلکہ یہ ایک اکثریتی حکم ہے جو عام طور پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسا بھی ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی ایسی نئی قانون سازی کی ہو جس کی بنیاد قرآن کریم میں نہ ہو، بلکہ کبھی تو اس کی قرآنی بنیاد ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ قانون نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے بنایا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے نبی تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچاتے تھے۔ اس پہلو سے نبی کریم ﷺ کی قانون سازی کی بنیاد ملتی ہے کہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام پہنچانے والے ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے سامنے اپنے معاملات رکھ کر اس میں فیصلہ لینا لازم اور ضروری ہے۔

مثلاً معاشرے کی عام ضرورت کی چیزوں میں عمومی ملکیت کا ثبوت ایک نئی تشریع ہے جو نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد سے واضح کی ہے "کہ تین چیزوں میں سارے لوگ شریک ہیں یعنی آگ پانی اور گھاس" یہ روایت قرآن کریم میں اپنی اصل کے ساتھ ملحق نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بنجر زمین کے ارد گرد پتھر لگا کر تین سال تک اسے آباد نہ کرے تو حضور ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "پتھر لگانے والے کا تین سال بعد کوئی حق نہیں ہے" یہ بھی قرآن کریم میں کسی اصل سے ملحق نہیں ہے۔ اسی طرح کسٹم والوں کا تاجروں سے ناجائز ٹیکس اور بھتہ وصول کرنے کی حرمت جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "ناجائز بھتہ لینے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا" یہ بھی قرآن کریم میں اپنی اصل سے ملحق نہیں ہے۔

Beacon of Knowledge

---

[85] [البقرة: 282]

یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کے معاملات کم ہیں، زیادہ معاملہ یہ ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کوئی نئی قانون سازی کی ہے تو اس کی اصل بنیاد قرآن کریم میں موجود ہوتی ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سنت کریمہ اصل میں قرآن کریم کی طرف کی پرتو ہے، اس میں جو ہے وہ دراصل قرآنی احکام ہی کی تشریح اور توضیح ہے۔ کہ یا تو قرآن کریم کے کسی اجمالی حکم کی تفصیل بیان کی ہے یا اس کے عام کو خاص، مطلق کو مقید، اور یا کسی جزئی مسئلے کو قرآن کریم میں موجود بنیاد کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسی جدید قانون سازی بھی ہے جس کا قرآن کریم میں نہ کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی کوئی بنیاد، لہذا سنت قرآن کریم کی توضیح بھی ہے اور جدید قانون سازی بھی۔ سنت کی یہ حیثیت کہ وہ قرآن کریم کی وضاحت کرتی ہے یہ درج ذیل آیت سے واضح ہے:

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ }[86]

ترجمہ: ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان کے لئے نازل کی گئی چیزوں کو واضح کریں۔

جبکہ اس کی مستقل قانون سازی کی حیثیت درج ذیل آیت کریمہ سے ثابت ہے:

{فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ }[87]

ترجمہ: اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سامنے پیش کر دو۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب اسے قرآن کریم میں دیکھنا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ خود حیات تھے تو آپ ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کرنا تھا، جبکہ اب وفات کے بعد آپ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا ہے۔ اب اس آیت میں موجود لفظ "تنازعہ" عام ہے اس میں قرآن کی کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف بھی شامل ہے اور کسی حکم کے استنباط میں اختلاف بھی، اسی طرح سنت میں دیکھنے کا حکم بھی عام ہے کہ خواہ قرآن کریم میں اس حدیث کی کوئی اصل اور بنیاد موجود ہو یا بالکل ہی موجود نہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ: یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت کی) اور (فلیحذر الذین یخالفون عن أمرہ: یعنی ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو نبی کریم ﷺ کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں) اب اس آیت میں "امر" کا لفظ عام ہے کیونکہ یہ ایک اسم جنس ہے جو ضمیر کی طرف منسوب ہے۔

اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح ایک شرعی دلیل ہے، نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی اسی بارے میں صریح ہے کہ (میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جنہیں اگر تم لازم پکڑو تو کبھی بھی گمراہ نہ ہو جاؤ گے، یعنی اللہ کی تاب اور میری سنت)

Beacon of Knowledge

---

[86] [النحل: 44]

[87] [النساء: 59]

حدیث شرعی احکام میں دلیل کب بن سکتی ہے؟

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح واجب الاتباعے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو بھی حدیث کے نام پر منقول ہو تو وہ حقیقت میں بھی حدیث ہے، بلکہ یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے واقعی یہ بات ارشاد فرمائی ہے یا یہ کام سر انجام دیا ہے، یا اس معاملے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ جب صحیح طریقے سے حدیث ثابت ہو جائے تو پھر احکام شریعہ اور عقائد کے بارے میں اس سے استدلال کرنا صحیح ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دلیل بن جاتی ہے کہ حدیث سے ثابت شدہ یہ حکم یا یہ عقیدہ ایک شرعی مسئلہ اور عقیدہ ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ حدیث کا ثبوت کبھی تو یقینی ہوتا ہے، مثلاً تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت اس حدیث کو تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کرے، جو کہ انہوں نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے حاصل کی ہو، اس شرط کے ساتھ کہ ہر مرحلے پر اسے ایک کافی جماعت نے روایت کی ہو جس کے بارے میں اس بات کا اطمینان ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہے، اس کو سنت متواترہ یا حدیث متواتر کہا جاتا ہے۔ جبکہ کبھی کبھار حدیث کا ثبوت ظنی طریقے سے ہوتا ہے، مثلاً تبع تابعین میں سے کوئی ایک شخص یا متفرق اشخاص کسی ایک تابعی یا متفرق تابعین سے اسے روایت کرے جو انہوں نے کسی ایک صحابی یا متفرق صحابہ سے لی ہو اور صحابہ کرامؓ نے وہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہو۔ اس کو حدیث احاد یا خبر واحد کہا جاتا ہے۔ یہیں سے سنت کی استدلال کے نقطہ نظر سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: یعنی خبر متواتر اور خبر واحد۔ جبکہ خبر مشہور (جس کو خبر مستفیض بھی کہا جاتا ہے) یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے تو خبر واحد کے طور پر منقول ہو، البتہ پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں وہ مشہور ہو جائے، تو وہ بھی حقیقت میں خبر واحد ہی ہے کوئی تیسری قسم نہیں ہے؛ کیونکہ وہ استدلال میں خبر متواتر کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی ہے اس لئے اس کو خبر واحد ہی کے مرتبے میں رکھیں گے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ جب بھی روایت میں انفرادی راوی موجود ہو، خواہ وہ صحابہؓ، تابعین یا تبع تابعین میں سے سند کے کسی بھی مرحلے میں ہو، تو اس کو خبر واحد ہی سمجھا جائے گا اگرچہ سند کے آخر میں اس کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہو، لہذا یہ طے ہے کہ حدیث کی دو ہی قسمیں ہیں خبر متواتر اور خبر واحد، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔

البتہ حدیث سے دلیل لینے میں اس کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے کہ وہ مسئلہ کونسا ہے جس کے لئے حدیث بطور دلیل پیش کی جارہی ہے، اگر تو وہ ایسا مسئلہ ہو جس میں غالب گمان والی دلیل بھی کافی ہوتی ہو تو اس کے لئے وہ احادیث کافی ہوں گی جو غالب گمان کے درجے میں بھی ثابت ہو، اگر کوئی یقینی طور پر ثابت شدہ حدیث ہو تو اس سے بطریق اولیٰ دلیل حاصل کی جاسکے گی۔ لیکن وہ مسائل جن کے بارے میں قطعی اور یقینی علم ضروری ہو تو پھر اس کے ثبوت کے لئے ایسی حدیث ضروری ہے جس میں یقینی طور پر کہا گیا ہو کہ وہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اب ان مسائل کے بارے میں ایسی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاسکے گا جس کے بارے میں یقین کے بجائے محض غالب گمان ہو کہ نبی ﷺ نے وہ ارشاد فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ بات

Beacon of Knowledge

طے ہے کہ کسی یقینی مسئلے کے لئے گمان والی دلیل کار آمد نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ یقینی مسئلے کے لئے دلیل بھی یقینی ہونا ضروری ہے۔

اب شرعی حکم کے لئے چونکہ محض یہ ظنی دلیل بھی کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہذا اس کی اتباع بھی ضروری ہے، اس لئے یہ جائز ہے کہ اس کی دلیل ظنی ہو، خواہ وہ ثبوت کے لحاظ سے ظنی ہو یا معنیٰ پر دلالت کے لحاظ سے بھی ظنی ہو۔

لہذا خبر واحد اگر روایت اور درایت کے لحاظ سے صحیح یا حسن درجے کی روایت ہو تو اس کو ہر قسم کے شرعی حکم کے لئے تسلیم کا جائے گا اور اس پر عمل ضروری ہو گا، خواہ وہ عبادات سے متعلق شرعی حکم ہو یا معاملات یا پھر سزاؤں کے بارے میں ہو۔ اس سے استدلال کو صحیح تسلیم کر لینا ہی صحیح اور حق بات ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے بھی ایسی روایات سے استدلال کیا تھا اور اس پر ان کا اجماع بھی تھا۔

اس کے بارے میں مزید دلیل ہے کہ شریعت نے کسی دعویٰ کی صداقت کے لئے گواہی کو معتبر مانا ہے حالانکہ وہ بھی خبر واحد ہوتی ہے، لہذا روایت میں خبر واحد کے معتبر ماننے کے لئے اس کو گواہی کے مسئلے پر قیاس کیا جائے گا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ یہ قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے کہ کاروباری معاملات میں دو مردوں، یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی، زناء کے معاملے میں چار مردوں کی گواہی اور حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی تسلیم کی جائیگی، اس کے علاوہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک گواہ اور دعوی کرنے والے شخص کی قسم کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا ہے، اور رضاعت سے متعلق ایک خاتون کی گواہی کو قبول کیا ہے، حالانکہ یہ ساری خبر واحد ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ بھی اسی طریقے پر چلے ہیں جس کے بارے میں ان میں سے کسی ایک شخص کی مخالف نقل نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ قاضی کے فیصلہ کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہاں سچ کے پہلو کو جھوٹ کے پہلو پر ضروری ترجیح دینا ہے جب تک وہ ایسے شبہات سے خالی ہو جو اس خبر کو جھوٹی بنا رہے ہوں۔

Beacon of Knowledge

یہ فیصلہ لازم کرنا ہی در حقیقت خبر واحد پر عمل کرنا ہے، اس لئے قیاس کے ذریعہ ثابت ہوا کہ ان اخبار آحاد پر بھی عمل کر لیا جائے جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں کیونکہ اس میں بھی سچائی کا پہلو غالب ہے جب تک کہ اس کو روایت کرنے والے اشخاص قابل اعتماد، سچے اور پختہ حافظے والے ہو اور ان کی باقاعدہ ملاقات ہوئی ہو ان اشخاص سے جن سے وہ حدیث نقل کر رہے ہیں، جب یہ ساری شرائط پوری ہو جائیں گی تو اس میں جھوٹ کا شبہ ختم ہو جائے گا۔ لہذا نبی کریم ﷺ سے مروی خبر واحد کو قبول کر کے اس پر عمل کرنا در حقیقت گواہی کو مان کر اس کے مطابق عدالتی فیصلہ جاری کرنا ہے۔ تو گویا خبر واحد قرآن کریم کی روشنی میں بھی دلیل اور حجت بن سکتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تاکیدی ترغیب دی ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث کو سن کر انہیں یاد کر کے آگے لوگوں تک پہنچائی جائیں۔ اب اگر نبی ﷺ کے یہ فرامین دلیل نہ بن جائیں اور ان کے اوپر عمل نہ کیا جائے تو انہیں یاد کر کے آگے پہنچانے کا کوئی فائدہ اور اثر نہیں ہو گا۔ لہذا نبی کریم ﷺ کی طرف سے احادیث مبارکہ کو آگے پہنچانے کی دعوت کا مطلب یہی ہے کہ وہ احادیث مقبول ہیں، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ جو بات حدیث کے نام

پر نقل کی جارہی ہے وہ حقیقت میں بھی حدیث ہی ہے یعنی اس کی روایت کرنے والے قابل اعتماد اور امانتدار ہو، ان کا حافظہ درست ہو، انہیں پتہ چلتا ہو کہ کونسی بات ان کو یادہ رہ گئی اور کونسی بات ان سے بھول گئی، تاکہ ان احادیث میں جھوٹ کا شبہ ختم ہو جائے اور ان میں سچ کا پہلو راجح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صریح حدیث اور حدیث کے مدلول دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خبر واحد بھی حجت ہے۔

اس کے علاوہ ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعوتی خطوط دیکر بارہ سفیر مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس بھیجے، ظاہر ہے کہ ہر بادشاہ کے پاس ان میں سے ایک ہی سفیر گیا تھا، اب اگر ایک شخص کی خبر کی اتباع ضروری نہ ہوتی تو پھر آپ ﷺ اسلام کی دعوت کے لئے ایک بندہ بھیجنے پر اکتفاء نہ فرماتے، یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک عملی دلیل تھی جس سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ ایک آدمی کی خبر بھی تبلیغ میں حجت بنتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنے گورنروں کے پاس ایک قاصد کے ہاتھ پیغام پہنچاتے، تو ان میں سے کسی گورنر کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ چونکہ یہ ایک شخص کی خبر ہے اس لئے اس کو ماننا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ سارے پابندی کے ساتھ ایک قاصد کے ہاتھ بھیجے ہوئے احکام اور اوامر کو مانتے تھے اور انہیں نافذ کرتے تھے۔ یہ بھی نبی کریم ﷺ کے عمل سے ایک صریح دلیل تھی اس بات پر کہ شرعی احکام پر عمل کے وجوب اور نبی کریم ﷺ کے اوامر اور منع کئے ہوئے کاموں کے سلسلے میں خبر واحد حجت ہے ورنہ نبی کریم ﷺ کبھی بھی گورنر کے پاس ایک شخص کے بھیجنے پر اکتفاء نہ فرماتے۔

Beacon of Knowledge

کوئی یہاں پر یہ نہ کہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے آئی ہوئی خبر واحد کو قبول کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے زمانے اور ہمارے زمانے میں فرق ہے، کیونکہ اس زمانے میں ان کے پاس یہ موقعہ تھا کہ وہ اس خبر کی صداقت کے لئے خود نبی کریم ﷺ سے رجوع کرتے۔ یہ بات کہنا اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ اس کلام کے ذریعہ دلیل بننے کی صلاحیت کو نہ تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ختم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کی اصل دلیل یہ بات ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں صحابہ کرامؓ ایک شخص کی خبر پر عمل کرتے تھے جسے شریعت نے برقرار رکھا تھا۔

پھر صحابہ کرامؓ کے حوالے سے یہ مشہور ہے کہ جب انہیں راوی کی صداقت پر اعتماد ہو جاتا تو وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خبر واحد کو لیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان سے اتنے واقعات منقول ہیں جن کا شمار ہی نہیں کیا جاسکتا، اور ان میں سے کسی سے بھی یہ مروی نہیں ہے کہ انہوں نے خبر واحد کے قبول کرنے میں اختلاف کیا ہو۔ البتہ اگر ان سے اس طرح کی خبر مردود کرنے کی روایت آئی ہے تو وہ راوی کی صداقت پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے رد کیا ہے۔ لہذا اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ خبر واحد قرآن کریم، حدیث نبوی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اجماع کی رو سے شرعی احکام اور تبلیغ دین میں حجت ہے۔

اب یہاں پر کوئی یہ اعتراض بھی نہ کریں کہ چونکہ قرآن کریم میں کئی آیتوں میں "ظن" یعنی گمان پر عمل کرنے کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ:

{وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا }[88]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا نہ ہی اس کو سولی پر چڑھایا، اور بے شک جن لوگوں کا اس میں اختلاف ہوا وہ اس معاملے کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے سوائے گمان کی اتباع کرنے کے، اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا تھا۔

{وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ}[یونس:36]

اس کے علاوہ دیگر آیات جن کا یہی مطلب نکلتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب ہے کہ خود ان آیتوں میں غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیتیں عقائد کے بارے میں ہیں نہ کہ احکام کے بارے میں۔ اگر ظاہری طور پر ان کو عام تسلیم کیا جائے تو بھی قطعی دلائل موجود ہیں جن کی رو سے ان آیات کا تعلق عقائد سے ہی ہے۔

عقیدے میں چونکہ دلیل کی روشنی میں واقعہ کے مطابق ہونے کی قطعی اور یقینی تصدیق کرنی ہوتی ہے، یہی عقیدہ کی حقیقت ہے اور یہی اس کا امر واقعی ہے، اس لئے عقیدے کے اثبات کے لئے ایسی ہی دلیل ضروری ہے جس سے یقینی تصدیق کا علم حاصل ہوتا ہو، یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ دلیل خود ہی یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ اب چونکہ ظنی دلیل خود یقینی نہیں ہوتی ہے تو اسکے ذریعہ سے کسی چیز کے بارے میں یقینی علم بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے اس وجہ سے خبر واحد کو عقیدے کے لئے دلیل تسلیم نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے جبکہ عقیدہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں ظن کی اتباع کی مذمت کی ہے:

Beacon of Knowledge

{مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ }[89]

ترجمہ: انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے سوائے گمان کی اتباع کرنے کے۔

{وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ }[90]

ترجمہ: ان میں سے اکثر لوگ گمان کی اتباع کرتے ہیں، اور حقیقت میں گمان حق بات کے سلسلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

{وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ }[91]

ترجمہ: اگر آپ زمین پر چلنے والے اکثر لوگوں کی اتباع کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹادیں گے، یہ لوگ صرف گمان کی اتباع کرتے ہیں یہ لوگ صرف اٹکل پر چلتے ہیں۔

---

[88] [النساء: 157]

[89] [النساء: 157]

[90] [یونس: 36]

[91] [الأنعام: 116]

{إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ}[92]

ترجمہ: یہ لوگ صرف گمان اور نفس کی خواہش کی اتباع کرتے ہیں۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسری آیات عقائد کے بارے میں ظن کی اتباع کرنے کی مذمت کرتی ہیں، یہ مذمت بذات خود ظن کی اتباع کرنے کی ممانعت کی دلیل ہے۔ خبر واحد چونکہ ظنی ہے اس لئے عقائد کے باب میں ان سے استدلال کرنا بھی ظن کی اتباع کے زمرے میں آتا ہے، جس سے قرآن کریم میں منع کیا گیا ہے، لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ کوئی ظنی خبر عقیدے کے اثبات کے لئے دلیل نہیں بن سکتی ہے، جو بھی مسلمان اپنے عقیدے کی بنیاد کسی ظنی دلیل پر رکھتا ہے تو ایک حرام اور گناہ کے کام کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

لہذا شرعی دلائل اور عقیدے کا امر واقعی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عقیدے کے ثبوت کے لئے ظنی دلائل پیش کرنے سے اس عقیدے پر عمل واجب نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ طے ہو گیا کہ خبر واحد نوعیت کے دلائل عقیدے کے سلسلے میں حجت نہیں بن سکتے ہیں۔

البتہ یہ الگ بات ہے کہ یہ ساری تفصیل عقیدہ بنانے اور اسے بطور عقیدہ اپنانے میں ہے، صرف تصدیق کرنے میں نہیں ہے کیونکہ تصدیق ایک یقین ہو گا جس کی بنیاد ایک ظنی چیز پر ہو گی، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت بھی ان لوگوں کی گئی ہے جو ظن پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ نیز عقیدہ نہ رکھنے کا مطلب انکار کرنا نہیں ہے بلکہ اس پر یقین نہ کرنا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں اس پر عقیدہ نہیں رکھتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس کا انکار کرتا ہوں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں اسے یقینی نہیں مانتا ہوں۔ اس لئے اس باریک نکتے کو غور سے پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کیونکہ کئی ظنی صحیح احادیث آئی ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ کے بجائے عقائد سے ہوتا ہے۔ تو اب ہم جو تفصیل ذکر کی کہ ظنی خبر سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان ساری احادیث کا انکار کیا جائے اور اس میں جو بات کہی گئی اس کی تصدیق نہ کی جائے۔ بلکہ ہماری بات کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ان احادیث میں وارد تفصیلات کو یقینی نہیں جانا سکتا ہے۔

لہذا جو قطعی طور پر ثابت شدہ حدیث کا منکر ہو گا تو وہ کافر ہو جائے گا، جیسا کہ کوئی شخص فرض نمازوں کی رکعتوں کی تعداد کا انکار کرے۔ لیکن جو ظنی احادیث تو اس کے انکار کرنے سے کوئی شخص کافر تو نہیں ہو جائے گا البتہ گناہگار ضرور ہو گا۔

خبر علم تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ایک معتبر ذریعہ ہے:

علامہ ابن خلدون اپنے مشہور مقدمہ تاریخ میں علوم کی اقسام سے متعلق باب میں فرماتے ہیں: کہ اس کی مشہور دو قسمیں ہیں: ایک **فطری قسم** ہے کہ انسان اس تک اپنی عقل سے پہنچ سکتا ہے، اور ایک **منقولی قسم** ہے جسے انسان اس سے لیتا ہے جس نے اسے وضع کیا ہے۔ پہلی قسم کے علوم فلسفہ اور حکمت کے علوم ہیں یعنی وہ علوم جنہیں انسان اپنی فطری فکر سے حاصل کر سکتا ہے اور انسانی مدارک سے ان کے موضوعات، مسائل، دلائل کی جہتیں اور ان کی تعلیم کے ذرائع کا راستہ پا سکتا ہے، یہاں تک کہ

Beacon of Knowledge

---

[92] [النجم: 23]

انسان ہونے کی حیثیت سے ان علوم میں اس کی فکر و نظر بھی اس کو صحیح وغلط کی پہچان کرواسکتا ہے۔ دوسری قسم وہ علوم ہیں جو منقولی ہیں جنہیں کسی نے مقرر اور طے کیا ہے، ان سب کا دار و مدار اسے بنانے والے واضع شرعی سے خبر پر ہے۔ اس نوعیت کے علوم میں عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے سوائے اس مقدار کہ وہ ان سے علوم سے متعلق جزئی مسائل کو اس کے اصول کے ساتھ منسلک کریں۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ معلومات کی دو قسمیں ہیں: کچھ وہ علوم ہیں جن تک انسان خود پہنچ سکتا ہے، جبکہ کچھ وہ علوم ہیں جنہیں وہ دوسرے لوگوں سے حاصل کرتا ہے۔ اس ترتیب کے مطابق ان دونوں کے مطلب حسب ذیل ہوں گے:

العلم (سائنس): یعنی وہ علم جسے انسان غور وفکر، تجربہ اور نتیجہ خیزی سے حاصل کرتا ہے، جس طرح کی فزکس ، کیمیسٹری اور اپلائیڈ سائنس کی دوسری قسمیں۔

الثقافۃ (تعلیم) یہ وہ علم ہے جس کو خبر دینے، وصول کرنے اور استنباط کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، جیسے تاریخ، لسانی علوم، فقہ اور فلسفہ اور دوسرے غیر تجرباتی علوم۔

کچھ دوسرے غیر تجرباتی علوم ایسے ہیں جنہیں بھی سائنس کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے (اگر چہ اصل کے لحاظ سے وہ "الثقافۃ" میں داخل ہوتے ہیں) جیسے ریاضی، انجنیئرنگ اور دوسرے انڈسٹریل علوم۔ یہ اگر چہ الثقافۃ میں شامل ہیں لیکن چونکہ یہ سارے لوگوں کے لئے عام ہیں کسی خاص امت کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے انہیں سائنس میں سے سمجھا جاتا ہے، اسی طرح پیشہ ورانہ کاموں میں جو ہنر سے متعلق ہو جیسی تجارت اور کشتی رانی، تو انہیں بھی سائنس کے ساتھ منسلک کرکے اس عام کر دیا گیا ہے۔

Beacon of Knowledge

رہی بات آرٹس کی، جیسے تصویر کشی مجسمہ سازی اور موسیقی، تو ان کا تعلق "ثقافت" سے ہے کیونکہ وہ ایک مخصوص نکتہ نظر کے مطابق ہوتی ہے اور خاص ثقافت ہوتی ہے۔

"ثقافت" اور "علم" میں فرق یہ ہے کہ علم عالمی سطح پر ہوتا ہے کسی مخصوص امت یا طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا ہے، جبکہ ثقافت کبھی خاص ہوتی ہے جو خاص اس امت کی طرف منسوب ہوتی ہے جسے اس نے ایجاد کیا ہے یا اس کی خصوصیات اور امتیازی علامتوں میں شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ لٹریچر، ہیرو لوگوں کے کارنامے، زندگی کا فلسفہ۔ جبکہ کبھی کبھار "ثقافت" بھی عام ہوتی ہے جیسا کہ تجارت، کشتی رانی اور اس جیسی دوسری چیزیں۔

اس لئے علم کو عالمی سطح پر لیا جاتا ہے یعنی عالمی ہونے کی حیثیت سے کسی بھی امت کے لوگوں سے اس کی تحصیل کی جاسکتی ہے، جبکہ "ثقافت" اصل میں ایک طبقہ اسے شروع کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کا غور سے جائزہ لیتا ہے اس کو سمجھ لیتا ہے اور وہ ذہنوں میں پختہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کے بعد وہ دوسری ثقافتوں کا جائزہ لیتا ہے۔

لہذا خبر علم کے حصول کے طریقوں سے میں ایک معتبر ثابت شدہ طریقہ ہے اس کی حیثیت کم کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس طریقے کو ختم کرنے کا مطلب ہوگا کہ ہم ان کثیر معلومات کو یکسر مسترد کریں جنہیں ہم حاصل کرکے ان کی بنیاد پر زندگی

گزارتے ہیں ؛ کیونکہ بہت ساری معلومات ہمیں خبر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ تاریخ، سائنس کی تاریخ، زبان، ادب، اقوام اور ملتوں کے احوال (صحافت اور میڈیا) وغیرہ۔ بلکہ اکثر سائنسی معلومات بھی لوگوں کو خبر کے ذریعہ ہی ملتی ہیں جبکہ خود براہ راست اس کا تجربہ نہیں کرتے ہیں۔ مثلا کوئی شخص جب علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کا جو علاج تجویز کرتا ہے تو یہ شخص اس پر عمل کرتا ہے، کیونکہ مریض کو اس کی خبر، تجربے اور سائنسی علم پر بھروسہ ہوتا ہے تو علاج کا یہ سائنسی علم اس شخص نے اپنے یا اپنی اولاد کے لئے بذات خود حاصل نہیں کیا ہے بلکہ اس علم کے حاصل کرنے والے ایک معتبر شخص کے علم پر بھروسے کی بنیاد پر وہ اس پر عمل کرتا ہے اسی طرح ہمیں جب کسی دوائی کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم اپنے ذاتی علم و تجربے کے بغیر محض کسی ڈاکٹر کے کہنے پر اس کا استعمال شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح ہماری روزمرہ زندگی کے اکثر کام ہمیں اسی ترتیب کے مطابق کرتے ہیں۔

لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ اسی طرح کی ہر خبر قبول نہیں کی جاتی ہے اور نہ ہی خبر رد کی جاتی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسے اصول وضوابط ہیں جو کسی خبر کو قبول کرنے کے لئے درکار ہوں گے ؟ اسی طرح کونسی خبروں کو قبول کیا جائے اور کونسی خبروں کو رد کیا جائے گا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ''خبر'' کا لفظ عام ہے جس میں انشائیہ اور بیانیہ دونوں قسم کے جملے داخل ہیں، جس طرح محدثین یوں کہتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کی خبریں'' تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی باتیں ہیں خواہ اس میں انشائیہ (امر اور نہی) ہو یا بیانیہ ہو۔ اسی طرح اقوام اور طبقات کی تاریخ، علوم کی تاریخ، کیونکہ یہ انشائیہ اور طلب پر مبنی جملوں سے زیادہ عام ہیں، جن میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

Beacon of Knowledge

اب خبر سچ اور جھوٹ کے احتمال رکھنے کے اعتبار سے کئی قسموں پر ہے:

۱۔ جس کا سچ ہونا یقینی ہو۔

۲۔ جس کا جھوٹ ہونا یقینی ہو۔

۳۔ جس میں سچ اور جھوٹ دونوں میں سے کوئی یقینی نہ ہو، کیونکہ ان کے یقینی ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اس صورت میں یا تو اس کی سچائی کا گمان زیادہ ہو گا یا جھوٹ کا، یا پھر دونوں برابر ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی خبر کے سچ یا جھوٹ کا یقینی ہونا کیسے ہو گا؟ اسی طرح جب کسی کے یقینی ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہو گی تو ان کا یقینی نہ ہونا کیسے ہو گا؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ خبر میں جس چیز کے بارے میں کوئی بات بتلائی گئی ہے وہ یا تو:

۱۔ وہ چیزیں جو اس شخص کی حس میں آتی ہو جس شخص کو خبر پہنچائی گئی ہے، کیونکہ خبر بذات خود خبر کی دلیل نہیں ہوتی ہے، یعنی خبر میں جو بات بتلائی گئی ہے اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہوتی ہے کہ وہ بات یقینی ہے یا یقینی نہیں ہے ؟ بلکہ ایسے موقعہ پر فیصلہ عقل کرتی ہے کیونکہ خبر میں جو بات بتلائی گئی ہے وہ ایک محسوس چیز ہے تو اب ان معاملات میں جو براہ راست انسانی حس کے تحت آتے ہو ان میں اس خبر کی سچائی یا جھوٹ کا یقینی ہونا یا دونوں کے برابر ہونے کا فیصلہ عقل کے مطابق ہو گا۔

مثلاً کوئی شخص یہ بتائے کہ وجود کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، تو اب یہ خبر بذات خود خالق کا وجود ثابت کرتی ہے، کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جو خبر دیئے ہوئے شخص کی حس میں آسکتا ہے، کیونکہ وجود کا ادراک ہر کوئی کرتا ہے اب معاملہ اس کے مخلوق ہونے یا مخلوق نہ ہونے کا ہے جس کا تعلق خود وجود کی حقیقت سے ہے۔ اب اس خبر کی سچائی پر یقین کا حاصل ہونا ممکن ہے کیونکہ ایک یقینی عقلی دلیل موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وجود کا کوئی خالق موجود ہے اور اسکے برعکس بھی۔ اب یہ خبر کہ وجود ازلی (اور غیر مخلوق) ہے سننے سے ہی ہمیں اس کے جھوٹ ہونے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ وجود کا معاملہ انسانی عقل کے ادراک میں آتا ہے اور عقل ہی اس کے ازلی ہونے کی خبر کے جھوٹ ہونے پر یقینی دلائل قائم کرتی ہے۔

البتہ اگر خبر ایسی ہو جس کا سچا یا جھوٹا ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو اور وہ حسی معاملے میں ہو تو اس کے سچے یا جھوٹے ہونے یا ان کے درمیان برابر ہونے کا تعلق اس ظنی دلیل سے ہو گا جو اس پر عقلی طور پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ ہر عقلی قضیے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی ہے، اس کی مثال ظنی سائنسی معاملات میں سائنسدانوں کی خبریں اور تحقیقات ہیں۔ تو ایسے موقعہ پر حس، تجربہ اور خبر سے متعلق معاملے کے بارے میں زیادہ معلومات ہی ہم سے اس کے سچے ہونے یا جھوٹے ہونے یا درمیان میں ہونے کا فیصلہ کرواتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ پھر ان معلومات میں سے کوئی قطعی معاملہ بن جائے۔

تو یہ خبروں کی پہلی قسم ہے جس میں عقل کسی خبر کے یقینی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہے بشرطیکہ وہ خبر جس معاملے سے متعلق ہو وہ ایسا معاملہ ہو جو خبر دیئے ہوئے شخص کے حس میں آسکتا ہو۔

Beacon of Knowledge

۲۔ وہ خبریں جو انسانی حس میں تو آسکتی ہو لیکن جس شخص کو وہ خبر دی گئی ہے اس کے حس میں نہیں آسکتی ہوں۔ یعنی جس شخص کے سامنے خبر نقل کی گئی ہے یہ معاملہ اس کے حس سے غائب ہے اگرچہ مجموعی طور پر انسانی حس اس کا ادراک کر سکتی ہے یا وہ خبر اس نوعیت کی خبر ہو کہ جس کے سلسلے میں خبر دینے والے شخص کی خبر کی وجہ سے قطعیت حاصل ہو جاتی ہو، تو اس نوعیت کی خبر جو کہ انسانی حس میں آسکتی ہو اگرچہ خبر سننے والا شخص اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو تو یہ خبر پھر بھی اس کے حق میں حجت ہو گی، اور یہ ممکن ہے کہ اس کی سچائی کا یقین حاصل ہو جائے، یا اس کے سچ ہونے یا جھوٹ ہونے کا گمان حاصل ہو جائے یا پھر وہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہی رکھے۔ اس جگہ پر عقل (جب تک کہ خبر کا معاملہ خبر سننے والے شخص کی حس میں نہ آسکتا ہو) اس خبر کی نفی یا اثبات میں حجت اور دلیل نہیں بن سکتی ہے جب تک وہ عقلاً ممکن ہو اور وہ پہلی قسم کے زمرے میں نہ آتی ہو۔ تاریخ، لغت، علوم کی تاریخ اور بڑے لوگوں کے حالات زندگی سب اس قسم میں داخل ہیں، اس کے بارے میں یقین اس وقت حاصل ہو گا جبکہ وہ خبر تواتر کے درجے تک پہنچے، یا پھر خبر دینے والی ذات ایسی ہو کہ اس سے جھوٹ کا صدور عقلی طور پر ناممکن ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات، یا جھوٹ کا صدور ممکن ہو لیکن گناہوں سے معصوم ہونے کی وجہ سے جھوٹ کا صدور نہ ہوتا ہو، جیسے انبیاء کرامؑ، بشرطیکہ وہ خبر ان سے براہ راست سنی جائے یا پھر وہ ان سے تواتر کے ساتھ منقول ہو۔

اس تفصیل کے مطابق ہمیں تاریخی واقعات، تاریخی شخصیات، تحقیقات اور محققین کے فکری نتائج، ہم سے دور شہروں اور جگہوں کی موجودگی کا علم، اور ہم سے دور پیش آنے والے واقعات کا علم یقینی طور پر تب حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ تواتر کے

ساتھ ہم تک پہنچے یا وہ ایسی شخص کی خبر ہو جس سے جھوٹ کا صادر ہونا ناممکن ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔ اگر وہ خبر واحد کے ذریعہ منقول ہو تو پھر ان کا شمار ایسی خبروں میں ہو گا جن کا سچ ہونا، جھوٹ ہونا، یا پھر سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ ہونا سب ممکن ہے۔ مثلاً دوسری جنگ عظیم کا پیش آنا ایک یقینی واقعہ ہے کیونکہ اس کے بارے میں تواتر کے ساتھ خبر موجود ہے، البتہ اس جنگ میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق تفصیلات تو وہ چونکہ جزئی واقعات ہیں اس لئے اس کا دارومدار بھی انہیں خبروں پر ہو گا جن سے وہ مروی ہیں۔ اب ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا تعلق ان خبروں کو نقل کرنے والے لوگ اور ان کی صورتحال سے ہے۔ نیز ان کو اس نوعیت کی دوسری خبروں سے ان کا موازنہ کرکے بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خبر کی حقیقت کیا ہو گی؟۔

۳۔ ان چیزوں کے بارے میں خبر جو انسانی حس کے تحت آہی نہ سکتی ہو، جیسے غیب کے معاملات۔ اس قسم اور سابقہ قسم میں فرق یہ ہے کہ سابقہ قسم میں جس معاملے کی خبر دی جاتی ہے وہ معاملہ انسانی حس میں آسکتا ہے لیکن جس شخص کے سامنے وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے خاص اس ایک شخص کی حس میں نہیں آسکتا ہے، جبکہ اس موجودہ قسم کی خبریں ایسی ہیں کہ وہ انسان ہونے کے ناطے کسی بھی انسان کی حس میں نہیں آسکتی ہیں۔ پہلی قسم کی مثالیں ہم نے وہاں ذکر کر دی تھیں (مثلاً تاریخی واقعات یا عظیم شخصیات کے حالات زندگی، یا ہم سے دور جگہوں اور پیش آمدہ واقعات کا علم) جبکہ دوسری قسم کی مثال: جیسے جن فرشتے جنت دوزخ قیامت کا دن شیاطین وغیرہ، تو یہ چیزیں ایسی ہیں کہ یہ کسی بھی انسان کی حس میں نہیں آسکتی ہیں، تو ایسی نوعیت کی خبروں کے بارے میں خبر کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی ایسی ذات سے منقول نہ ہو جس کا جھوٹ بولنا ناممکن ہو، یا یہ بات یقینی ہو کہ ان سے جھوٹ کا صدور نہیں ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں اس خبر کا یقینی ہونا ضروری ہے، جو یا تو اس وجہ سے ہو گا کہ وہ کسی معصوم شخص سے اس نے سنی ہے یا اس تک متواتر درجے سے پہنچی ہے۔ یا اگر خبر واحد ہو تو اس کے ذریعہ سے یقین تو حاصل نہیں ہو گا البتہ اس کی سچائی کا گمان حاصل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ روایت اور درایت دونوں کے اصولوں کے مطابق صحیح طریقے سے منقول ہو۔

Beacon of Knowledge

تدوین حدیث: بلاشبہ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت اور اس کی معرفت کے لئے ایسے علوم بنائے ہیں جو انہوں نے براہ راست قرآن وحدیث سے حاصل کئے تھے یا ان کو قرآن وحدیث سے ان علوم کے بارے میں رہنمائی ملی تھی، مثلاً انہوں نے اسلام کی حفاظت اور اس کے سمجھنے کے لئے علم النحو، علم اصول، علم فقہ، علم بلاغت، علم تفسیر اور علم حدیث وغیرہ بنائے۔ ان میں سے ایک علم "اصول حدیث" بھی ہے جو اپنی دقت کے لحاظ سے ایسا علم ہے جس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے، جس کے بارے میں حمایت کرنے والوں سے قبل دشمنوں نے بھی گواہی دی ہے۔

اب اصول حدیث میں یہ بات طے ہوئی کہ حدیث صحیح وہ ہے جس کی سند متصل ہو، اس کے نقل کرنے والے ساری راوی نیک اور سچے ہو، سب کا حافظہ مضبوط ہو، نہ وہ شاذ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی خفیہ علت ہو۔ جبکہ حدیث حسن کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس میں صحیح حدیث کی ساری شرطیں موجود نہ ہوں، یا یہ وہ حدیث ہے جس کو عام علماء نے قبول کیا

ہو اور بڑے فقہاء نے اسے معتبر مانا ہو۔ اسی طرح علوم الحدیث میں حدیث ضعیف کی ساری قسمیں اور ان کی تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔

لہذا علم الحدیث ایسے قوانین کے جاننے کا علم ہے جن کے ذریعہ سند اور متن کے احوال معلوم ہو جائیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ صحیح حدیث کی پہچان ہو جائے اور اسے ضعیف حدیث سے الگ کیا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم الحدیث جس کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور ایک وہ علم حدیث جس کا تعلق درایت سے ہے۔ رہی وہ قسم جو روایت کے ساتھ خاص ہے تو یہ وہ قسم ہے جو نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات اور صفات نقل کرنے، اس کی روایت، درستگی اور الفاظ کی تحریر پر مشتمل ہے۔ جبکہ درایت سے متعلق علم الحدیث وہ ہے جس میں روایت کی حقیقت، اس کی شرطیں، اس کی قسمیں اور احکام، منقول روایات کی اقسام، راویوں کے حالات اور ان کی شرائط وغیرہ مذکور ہوں۔ درایت میں حدیث میں مذکور معنیٰ کی پہچان کرنا اور یہ معلوم کرنا بھی شامل ہے کہ کہیں وہ اس سے زیادہ طاقتور نص سے تعارض میں تو نہیں آرہی ہے۔ کیونکہ اگر ایک حدیث اپنے سے طاقتور دلیل (قرآنی آیات، حدیث متواتر یا حدیث مشہور) کے مقابلے میں آرہی ہو تو ایسے موقعہ پر خبر واحد کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے منقول ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئی لیکن آپ ﷺ نے میرے لئے شوہر کے ذمہ نہ نفقہ کا خرچہ مقرر کیا اور نہ ہی رہائش دینے کا حق لازم کیا۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے برخلاف ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ} [الطلاق:6] یعنی تم ان خواتین کو اپنی وسعت کے مطابق اس جگہ میں رہائش دو جہاں تم خود رہ رہے ہو۔ نیز یہ اس حدیث مشہور کے بھی خلاف ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "تین طلاق یافتہ خاتون کو نفقہ اور رہائش کا حق ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہے" اس لئے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث مسترد کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔

لہذا علم الحدیث ایک عقلی بحث ہے کیونکہ اس کا موضوع خبر دینے والے اور ان کی دی ہوئی خبریں ہیں، کیونکہ قواعد حدیث کی طرح اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس میں خبر اور خبر دینے والے لوگوں سے بحث کی جائے۔ مثلاً خبر قبول کرنے کے لئے شرط ہے کہ خبر دینے والا سچا اور قوی حافظے والا ہو، یہ ایک بدیہی بات ہے۔ اب اگر کسی خبر میں یہ دو باتیں ختم ہو جائے تو پھر ہم اس خبر کی تصدیق نہ کرنے کو ترجیح دیں گے۔ یہ بھی ایک بدیہی بات ہے جس کا اطلاق عمومی خبروں پر بھی کیا جاتا ہے (جیسا کہ میڈیا وغیرہ میں ہوتا ہے) بلکہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے گواہی دینے میں ایک بدیہی حقیقت ہے، اس طرح کہ گواہی دینے والا درحقیقت زیر تحقیق کیس میں ایک معاملے کی خبر دیتا ہے اب اگر گواہی دینے والے کی سچائی اور حافظے پر ہی اعتراض ہو تو اس کی گواہی کی اہمیت ختم ہو جائیگی، لیکن اگر وہ عادل اور پختہ حافظے والا ہو تو پھر یہ دیکھا جاتا ہے تو پھر عدالت کے سامنے موجود کیس میں اس کی گواہی کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا۔ اب اگر اس کی دی ہوئی گواہی ایک محسوس بات کے خلاف ہو، یا اس کیس میں خبر دینے والے دوسرے اشخاص کی بات کے برعکس ہو جن کی سچائی اور پختگی زیادہ مشہور ہو تو ایسی صورتحال میں

Beacon of Knowledge

ضروری ہو گا کہ دونوں طرح کی خبروں اور خبر دینے والوں کے حالات اور قرائن کا جائزہ لیکر اسکی روشنی میں کسی ایک خبر کو ترجیح دیکر دوسری خبر کو ساقط کر دیا جائے۔

علم الحدیث میں غور و فکر کرتے وقت بھی یہی طریقہ کار اپنایا جاتا ہے، جب کسی مخصوص راویوں کی کسی خاص موضوع سے متعلق روایات کی تلاش ہو تو اس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ ان راویوں کی حالات، تاریخ اور مرویات وغیرہ میں غور و فکر کیا جائے اور انہوں نے جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں غور کر کے ان کے الفاظ صحیح طریقے سے منضبط کر کے ان کے معانی پر توجہ دی جائے جو کہ علم الحدیث کا حصہ ہے۔

یہ بحث صحابہؓ کے دنوں سے اس وقت سے شروع ہوئی ہے جس وقت سے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، روایت کرنے والے لوگوں اور ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو زیر بحث لایا گیا، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کرنے والے لوگوں اور ان کی روایت سے، تعلق بات کی ہے۔

بلکہ خود قرآن کریم نے روایت نقل کرنے والے شخص کے لئے روایت لینے اور اسے آگے بیان کرنے کے اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ}[93]

اے ایمان والوں اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اسکی تحقیق کیا کرو، کہیں ایسا ہو جائے کہ تم لاعلمی میں کسی قوم کو نقصان پہنچاؤ پھر تم اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔

Beacon of Knowledge

تو یہ آیت راوی، اسکی حالت جاننے اور حدیث بیان کرنے سے قبل اسکی صحت کے حوالے سے اطمینان کرنے کے بارے میں دلیل اور اصل ہے، خبر دینے والے شخص کے فاسق ہونے کی صورت میں حدیث بیان کرنے کو اس بات کے ساتھ معلق کرنا کہ پہلے اس کا اطمینان حاصل کر کے اسے آگے بیان کیا جائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص عادل ہو تو اس کی خبر اس شرط کے اوپر موقوف نہیں ہو گی، کیونکہ یہاں شرط ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جہاں شرط نہیں ہو گی تو وہاں اس سے متعلقہ حکم کی بھی نفی ہو جائیگی۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

{وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ}[94]

ترجمہ: جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو وہ اس کو پھیلا دیتے ہیں، اگر وہ اس کو نبی کریم ﷺ یا دیگر ذمہ داران کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کر سکتے ہیں وہ اس معاملہ کو سمجھ جاتے۔

---

[93] [الحجرات: 6]

[94] [النساء: 83]

یہ آیت نقل کی ہوئی بات کے پیش نظر خبر کو لینے اور آگے اس کو نقل کرنے کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہے، کیونکہ اس میں پھیلائی گئی افواہوں اور باتوں کے ساتھ نمٹنے کا طریقہ کار بتایا گیا ہے، تاکہ صحیح خبروں کو جھوٹی افواہوں سے الگ کرنے کے لئے یہ طریقہ کار بتایا گیا ہے کہ وہ خبر تجربہ کار لوگوں کے سامنے رکھی جائے تاکہ وہ اس کی حقیقت کے متعلق فیصلہ کریں۔

لہذا خبر، خبر دینے والے لوگ، خبر کے سچے یا جھوٹے ہونے کا یقین، یا گمان حاصل کرنے کے لئے اس میں غور وفکر کرنا تمام لوگوں کے نزدیک ایک عقلی مسئلہ ہے، یہ اس قسم کی معلومات سے متعلق ایک اہم اور لازمی بحث ہے، اور یہی بحث علم الحدیث پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

مسلمان نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لیکر آج تک حدیث کی حفاظت اور اس کی چھان بین کے لئے اپنی مکمل صلاحیتیں صرف کررہے ہیں، صحابہ کرامؓ اس وقت تک روایت قبول نہیں کرتے تھے جب تک ایک صحیح دلیل سے اس کے راوی کی پہچان حاصل نہ فرماتے، ان کے بعد تابعین اور تابعین حدیث نقل کرتے تھے اور وہ حدیث قبول نہیں کرتے تھے سوائے ایسے راویوں کے جو کہ سچے عادل اور پختہ حافظے والے ہوتے تھے۔

جب حدیث کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا تو علماء نے روایت حدیث کی شرائط کا التزام شروع کیا، جس کے لئے حدیث کے علوم بنائے گئے، حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، پھر علماء نے صرف حدیث میں خاص مہارت حاصل کی، اور حدیث کی وہ کتابیں جمع لکھیں جنہیں ''صحاح'' کہا جاتا ہے، جو کہ چھ ہیں، یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابوداود، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ۔ یہ حدیث کی وہ کتابیں ہیں جنہیں ایسے محدثین اور راویان حدیث نے جمع کی ہیں جن کا حدیث کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کچھ علماء ایسے تھے جو فقہ اور حدیث دونوں کے عالم تھے انہوں نے بھی حدیث کی کتابیں لکھیں جنہیں مذکورہ بالا صحاح ستہ کے ساتھ یا ان کے بعد کا مرتبہ دیا گیا ہے، مثلاً مسند امام احمد بن حنبل اور موطأ امام مالک، اس کے علاوہ حدیث کی اور بہت ساری کتابیں ہیں جن میں صحیح اور حسن احادیث جمع ہیں۔

اس کے علاوہ علمائے فقہ کی فقہی کتابیں اور علمائے اصول کی اصول فقہ میں کتابیں ہیں جن میں حدیث سے استدلال کرنے کے لئے احادیث کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کیا ہے، ان میں اگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے تو وہ کم از کم حسن ہوگی، کیونکہ اس سے استدلال کرنے والے جلیل القدر فقہاء تھے، مثلاً امام شافعیؒ کی کتاب الام، علامہ سرخسیؒ کی ''المبسوط'' اور امام آمدیؒ کی ''الأحکام'' وغیرہ۔

اسلئے انفرادی احادیث اور ہمیں جو نبی کریم ﷺ کی سنتیں پہنچی ہیں ان کو مسلمانوں نے اس طرح سے محفوظ کیا ہے کہ آج بھی ان کی سنت اور حدیث ہونے کا کامل اطمینان حاصل ہوتا ہے، کہ اسے روایت میں بھی منضبط کیا گیا ہے اور تدوین میں بھی، راویوں کے حالات میں بھی اور فقہی اور اصولی استدلال میں بھی اور اس کے علاوہ اور بہت ساری چیزوں میں اسے محفوظ کیا گیا ہے۔ پھر یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حدیث صرف بعد میں آنے والے وقتوں میں جمع کی گئی ہے کیونکہ روایت، حفظ اور کتابت کے ذریعہ حدیث کی حفاظت خود نبی کریم ﷺ کے زمانے سے شروع ہوئی تھی جو بعد میں تدوین کے زمانے تک جاری رہی۔

Beacon of Knowledge

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ کتابوں میں حدیث کی تدوین دوسری صدی ہجری میں جاری ہوئی، لیکن خود حدیث کی کتابت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی ہوتی تھی اور نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بعد تدوین کے زمانے سے پہلے بھی تھی۔ تو گویا حدیث کو جمع کر کے اسے محفوظ کرنا دیر سے نہیں ہوا ہے البتہ کتابی شکل میں اس کی تدوین میں واقعی تاخیر ہوئی تھی، کیونکہ اس زمانے میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین سے سنی ہوئی احادیث لکھ دی تھی، صحابہؓ میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے صحیفے تھے، بلکہ بعض احادیث کی کتابت خود نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھی، جیسا کہ زکوۃ اور دیت سے متعلق نبی کریم ﷺ کے خطوط، یمن کے گورنر عمرو بن الحزم کو لکھا ہوا خط، وائل بن حجرؓ کو لکھا ہوا خط، بادشاہوں اور سرداروں کو اسلام کی دعوت کے لئے لکھے گئے خطوط اور کافروں کے ساتھ طے کئے گئے معاہدات اور معاملات۔ لیکن اس وقت کی یہ کتابت روایت کے ساتھ ہوتی تھی، یعنی اس وقت ایسے مجموعے مرتب نہیں کئے گئے تھے جس میں ساری احادیث کو جمع کر دیا ہو، بلکہ اس کے برعکس حدیث کی حفاظت کا زیادہ تر دارومدار روایت پر ہوتا تھا۔

البتہ تابعین کے دور میں تدوین حدیث زیادہ ہونے لگی، جس طرح امام زہری اور محمد بن عبد الرحمن نے کیا تھا، اس کے بعد حدیث کے مجموعے اور حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، جیسا کہ جامع معمر بن راشد (متوفی سن ۱۵۴ھ)، حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) کی مصنف، اور موطا نام کی کتابیں جن میں سب سے زیادہ مشہور امام مالک (متوفی سن ۱۷۹) کی موطا، اس کے علاوہ دیگر بہت ساری جوامع اور مصنفات اور موطائم کی کتابیں، یہ ان احادیث کے علاوہ تھیں جو فقہاء کی کتابوں میں لکھی گئی تھیں۔

Beacon of Knowledge

پھر تیسری صدی ہجری آئی جو حضور ﷺ سے مروی احادیث کی تدوین کا اصل زمانہ ہے، کیونکہ اس میں تدوین حدیث صحاح ستہ سمیت مصنفات، جوامع، معجم اور مسند وغیرہ کتابوں کی صورت میں مکمل ہوگئی تھی، نیز حدیث کی روایت صرف انہی لوگوں نے نہیں کی تھی، بلکہ بہت سارے علماء نے ان سے پہلے بھی یہ خدمت انجام دی تھی، مثلا امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی ''مسند''، اور حمیدیؒ نے اپنی ''مسند'' کی صورت میں، جبکہ علامہ عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' کی صورت میں اور دیگر علماء نے بھی کتابیں لکھیں۔

گویا حدیث کی روایت اور اس کی حفاظت خود نبی کریم ﷺ کے زمانے میں شروع ہوئی تھی، جو بعد کے زمانے میں بھی جاری رہیں۔ بلکہ اگر مزید تفصیل میں چلے جائیں تو واضح ہوتا ہے کہ خود کتابت حدیث بھی نبی کریم ﷺ کے زمانے میں شروع ہوئی تھی، باوجودیکہ نبی کریم ﷺ نے بعض مواقع پر صحابہ کرام کو منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھا کرو'' لیکن صحابہؓ اس سے یہ مطلب سمجھے تھے کہ یہ کتابت سے قطعی ممانعت نہیں ہے، بلکہ یہ دراصل نبی کریم ﷺ کی طرف سے حفظ اور روایت کو ترجیح دینے کی ترغیب تھی۔ یہی وجہ سے ہے کہ آج کل جو ہم منکرین حدیث سے سن رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کتابت حدیث سے منع کیا تھا جس کی وجہ سے وہ حدیث پر اعتراض کرتے ہیں یہ دراصل ایک سخت قسم کا مغالطہ اور غلط فہمی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس طرح کی کوئی حدیث مروی نہیں ہے جس میں آپ ﷺ نے مطلقا ہر قسم کی حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہو، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ قرآن کی تدوین کا زمانہ تھا، اس زمانے میں احادیث قرآن

کے ساتھ لکھنے سے یہ ان کے درمیان اشتباہ کا خدشہ ہو سکتا تھا اس وجہ سے حضور ﷺ نے ایک مخصوص موقعہ پر مذکورہ بالا حدیث ارشاد فرمائی تھی۔

کتابت حدیث کی ممانعت پر مشتمل اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قرائن کو بھی دیکھا جائے اور اس کے ساتھ اس موضوع سے متعلق دیگر احادیث کو بھی سامنے رکھ کر صحیح مطلب نکالا جائے۔ تو جس طرح یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے علاوہ دوسری چیز کے لکھنے سے منع فرمایا تھا، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے علاوہ دوسری لکھی ہوئی چیز مٹانے کا حکم دیا تھا، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی، بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود ہی بعض مواقع پر حدیث لکھنے کا حکم دیا تھا، لہذا یہ ثابت ہے کہ تدوین حدیث صحابہؓ کے زمانے میں شروع ہوئی تھی، کیونکہ ان میں سے کئی لوگ تھے جو احادیث لکھتے تھے اور انہی لکھی ہوئی احادیث سے روایت کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیث والا نہیں تھا سوائے عبد اللہ بن عمروؓ کے، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کے لکھنے والے صحابہؓ کم تھے، زیادہ صحابہؓ احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے، کیونکہ اسلام کے شروع کے زمانے میں بعض مصلحتوں (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) کی بناء پر کتابت حدیث سے منع کیا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میری باتیں نہ لکھو، جنہوں نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو مٹادیں، البتہ مجھ سے احادیث روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے" اس فرمان کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کتابت حدیث سے رک گئے تھے، اور اس کی حفاظت پر توجہ دی۔

Beacon of Knowledge

یہاں ایک اور اہم نکتے پر بات کرنا ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ غیر قرآن کی کتابت سے منع کرنا احادیث کی حجیت نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں بن سکتی ہے، اور نہ ہی اس سے اس بات پر کہ اس کی نقل اور تبلیغ واجب نہیں ہے، کیونکہ خود اس حدیث کے آخری الفاظ میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میری حدیثیں مجھ سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں" جو کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے احادیث کی تبلیغ کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے غیر قرآن کی کتابت سے ممانعت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ کتابت حدیث مطلقا منع ہے، بلکہ وہ ایک خاص وجہ سے ہے، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے احادیث لکھنے والے کو احادیث لکھنے پر برقرار رکھا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں آپ سے باتیں سنتا ہوں تو کیا میں انہیں لکھ لیا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں، انہوں نے پھر پوچھا کہ خوشی اور غصے ہر حالت کی باتیں لکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی بالکل، میں دونوں حالتوں میں صرف حق بات ہی کہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں انہوں نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، تو قریش نے مجھے منع کیا۔۔۔ آخر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "جی لکھ لیا کریں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے

میں میری جان ہے اس زبان سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے"۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود اپنے گورنروں کو زکوۃ وصدقات وغیرہ سے متعلق خطوط لکھ کر بھیجے تھے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر قرآن کی کتابت سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ خود قرآن کے ساتھ کسی اور چیز کو ملا کر نہ لکھا جائے تاکہ وہ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائے۔ مطلق حدیث کی کتابت سے ممانعت مقصود نہیں تھی۔

باقی حضرت ابو سعید خدریؓ کی جو روایت ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میری باتیں نہ لکھو، جنہوں نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو مٹادیں، البتہ مجھ سے احادیث روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے" تو اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث کی سند نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچی ہے، بلکہ خود ابو سعید الخدریؓ کا قول ہے۔ ان کے اس قول کے مطابق تو یہاں کوئی تعارض ہے ہی نہیں، کیونکہ کتابت حدیث کی اجازت والی احادیث نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں جبکہ یہ ابو سعید خدریؓ کا قول ہے ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام کا قول صحابیؓ کے قول پر مقدم ہو گا۔

البتہ جو حضرات اس کو نبی کریم ﷺ کا فرمان تسلیم کرتے ہیں جو کہ راجح ہے تو ان کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ کتابت حدیث کی اجازت سے متعلق احادیث قوی اور زیادہ ہیں اس وجہ سے یہ ممانعت والی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ نیز ان دونوں احادیث کو برقرار رکھنا بھی ممکن ہے بایں طور کہ ممانعت والی حدیثوں سے مراد یہ ہے کہ خاص قرآن کے ساتھ احادیث نہ لکھی جائیں تاکہ قرآن اور حدیث خلط نہ ہو جائے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے احادیث لکھوائی ہیں ان کی تبلیغ اور انہیں آگے نقل کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے اور اس کے بعد کے زمانے میں صحابہ کرام نے حدیثیں لکھی تھیں، اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین بھی ان کے راستے پر چلے ہیں، یہاں تک آخر میں احادیث کو کتابوں میں جمع کرنے اور مدون کرنے کا زمانہ آیا۔

Beacon of Knowledge

یہاں ایک اور اہم نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنا ضروری ہے کہ کتب احادیث میں جو کچھ مدون کیا گیا تھا یہ احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے جیسا کہ آج کل مصنفین کرتے ہیں، بلکہ وہ در اصل حدیث کے راویوں میں سے کسی ایک راوی کی روایت کو جمع کرنا تھا۔ مثلاً امام بخاریؒ نے متفرق احادیث کو جمع کرنے کا کارنامہ انجام نہیں دیا تھا، بلکہ ان میں چونکہ روایت حدیث کی شرائط پائی جاتی تھیں اس لئے انہوں نے احادیث روایت کیں، اور پھر انہوں نے ان حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کیا، اس لئے ان کی کتاب حدیث کی تالیف کردہ یا جمع کردہ کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی کی روایات ہیں جنہیں ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہی مثال صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کا بھی ہے، بلکہ یہی ترتیب ائمہ مجتہدین کی جمع کی ہوئی احادیث میں بھی ہے جیسا کہ امام مالک کی موطأ اور امام احمد بن حنبلؒ کی مسند وغیرہ۔ لہذا کتب حدیث ایسی تصنیفات نہیں ہیں جن میں احادیث جمع کی گئی ہوں بلکہ یہ وہ روایات ہیں جنہیں حدیث کے اماموں میں سے کسی ایک امام یا حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی نے روایت کی ہیں۔ اس تفصیل سے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو بعض منکرین حدیث کرتے ہیں (وہ یہ کہ ان چھ کتابوں کی

تصنیف سے قبل مسلمان اللہ کی عبادت کیسی کرتے تھے؟ اور وہ کتنے سال تھے جنہیں مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سے ضائع کئے تھے یہاں تک کہ صحاح ستہ کے مصنفین پیدا ہوئے اور بڑے ہوگئے اور پھر انہوں نے یہ کتابیں لکھیں اور مسلمانوں سے کہا کہ یہ ہے تمہارا وہ دین جو دو سو سال تک ضائع تھا جن دو سالوں میں قرآن کریم کی نہ کوئی وضاحت تھی اور نہ احکام اسلام کا تفصیلی بیان تھا) والعیاذ باللہ۔

یہ در حقیقت روایت کے مفہوم سے لاعلمی اور روایت حدیث اور تدوین کے زمانے میں اس کی جمع وترتیب کے مابین فرق نہ کرنے پر مبنی ہے۔ روایت کی تاریخ سے لاعلمی اس وجہ سے ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے ان احادیث کو اپنے سے قبل راویوں سے نقل کیا ہے، تو وہ راوی ان سے پہلے آئے تھے، نیز ان راویوں نے کثیر کتابیں بھی لکھی تھیں (جیسا کہ اس کا تذکرہ ما قبل میں کیا جاچکا ہے) جن کی روایت میں دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔

روایت حدیث اور تدوین حدیث کے مفہوم میں ان اعتراض کرنے والوں سے خلط اس طرح ہوا ہے کہ اصل میں روایت اور روایت کی تدوین الگ چیز ہے جبکہ روایت کو جمع کرنا اور احادیث کو کتابوں میں مدون کرنا ایک الگ چیز ہے۔ اب حدیث کی روایت نبی کریم ﷺ کے زمانے سے موجود تھی، کیونکہ صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کو نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے آل کے قول، فعل اور تقریر (خاموش رضامندی) نقل کرتے تھے اور وحی سمجھ کر اس کی پابندی کرتے تھے۔ یہ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے بلکہ قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے اور ایک طرح سے ان پر واجب کیا تھا کہ وہ جو چیز سنیں اور دیکھیں تو وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Beacon of Knowledge

{وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ}[95]

ترجمہ: مسلمانوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ سارے کے سارے باہر چلے جائیں، ایسا کیوں نہ ہو کہ ان میں سے ہر جماعت سے ایک گروہ باہر نکلے اور دین کی سمجھ حاصل کرے، اور پھر جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو انہیں ڈرائے۔ شاید کہ وہ لوٹ آئے۔

بلکہ یہ بھی ایک ثابت شدہ معاملہ ہے کہ وہاں ایسے لوگ بھی تھے جو نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل لکھتے تھے، مزید یہ کہ حضور ﷺ نے بعض احادیث کے لکھنے کا حکم بھی دیا تھا، جبکہ تابعین کے حوالے سے تو یہ مشہور ہے کہ ان کی کثیر تعداد صحابہ کرامؓ سے سنی ہوئی احادیث لکھتی تھی اور اسے روایت کرتی تھی، اس کے علاوہ دوسرے تابعین ایسے بھی تھے جو احادیث اگرچہ لکھتے نہیں تھے لیکن انہیں روایت کرتے تھے۔ جبکہ تبع تابعین کے زمانے میں مصنف، موطأ اور مسند کے نام سے کتابیں لکھی گئیں، جبکہ اس کے ساتھ کتابیں نہ لکھنے والوں کی طرف سے روایت کا سلسلہ بدستور جاری تھا، مزید یہ کہ فقہاء کرامؒ کی طرف سے بھی فقہی کتابوں میں روایت حدیث کا سلسلہ جاری تھا، لہذا نبی کریم ﷺ کی حدیث ثابت، موجود، مروی اور نسل در نسل آج

---

[95] [التوبة: 122]

تک عام وخاص مسلمانوں کے ہاں معلوم ہے۔ پھر بھی وہ حدیثیں جو عام لوگوں کی نظری سے اوجھل تھیں وہ خواص کو معلوم تھیں، اگر خواص میں سے کسی کو معلوم نہ ہوتیں تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے تھے جنہیں وہ احادیث معلوم ہوتی تھیں۔ یہ ایک ثابت اور یقینی بات ہے۔ صحاح ستہ کے مصنفین کا زمانہ وہ وقت تھا جب روایت کا اختتام ہو کر مروی حدیثوں کو مصنف، موطأ اور مسند و معجم میں جمع لکھنے اور جمع کرنے کا زمانہ تھا۔ اس عہد (حدیث کو مذکورہ بالا کتابوں اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں مدون کرنے کا زمانہ) کے ساتھ ہی روایت کا عہد ختم ہوا کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، البتہ مدون شدہ کتابوں کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلم ممالک میں سند کے ساتھ حدیث کی روایت آج بھی زندہ ہے۔

لہذا جس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کی ہو اس کو اسی طرح قبول کیا جائے گا جس طرح کہ ان احادیث کو قبول کیا جاتا ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیب و دیگر صحابہ و تابعین سے سے مروی ہے۔ آج بھی جب حدیث کو لیا جاتا ہے یا اس کو حدیث کی کسی کتاب سے لیا جاتا ہے تو اس کو اس حیثیت سے لیا جاتا ہے کہ وہ کسی خاص کتاب کے بجائے ایک راوی کی روایت ہے، تو جس طرح حضرت عمرؓ حضرت ابو موسی الاشعریؓ کی روایت کو دلیل بناتے تھے اسی طرح آج کا (بلکہ قیامت تک) ایک عالم اور فقیہ بھی جب اس کو امام بخاری، امام مالک، امام احمد یا ابن ماجہ کے حوالے سے (یعنی ان کی کتابوں سے لیکر) نقل کر کے اس سے استدلال کر سکتا ہے۔

لہذا آج بھی حدیث قبول کرنے کا مطلب وہی ہے جو حضرت عمرؓ کا طریقہ تھا، کہ ایک اسا راوی جس میں حدیث صحیح یا حدیث حسن روایت کرنے کی شرائط پوری ہو، اس وجہ سے آج کسی حدیث کو لینے میں اور حضرت ابو بکرؓ کا اس حدیث کو لینے میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ہر کوئی اسے ایک معتمد سچے اور قوی ذہن والے شخص سے لیکر اس پر عمل کرتا ہے، یعنی جب بااعتماد انسان کی شرائط پوری ہو جائیں تو پھر اس کے لینے میں کسی بھی وجہ سے کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ مثلا حضرت عمرؓ کسی مقدمے میں کسی صحابی سے سنی ہوئی حدیث یا خود نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی حدیث کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تھے، تو اسی طرح آج کا کوئی قاضی جب کسی کیس میں امام بخاری، امام ابن ماجہ یا امام آمدیؒ، یا ابن قدامہؒ کی کتابوں سے حدیث لیکر فیصلہ کرتا ہے تو اسکی نوعیت بھی وہی ہوتی ہے، کیونکہ دونوں نے ایک ایسی حدیث کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا ہے جو اس کو ایک مستند بااعتماد بندے سے ملی تھی۔ اس ابن ماجہ کی حدیث سے استدلال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی براہ راست حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرے۔ قاضی کی طرح وہ عالم بھی ہے جو کسی شرعی مسئلے اور حکم میں کسی صحیح یا حسن حدیث سے استدلال کرتا ہے جو اس کو امام ترمذی یا امام احمد بن حنبل سے ملی ہو (یعنی ان کی کتابوں سے لی ہو)۔

اس لئے یہ اسلام کے اصول اور عقائد میں شک پیدا کرنے والی بات ہو گی اگر کوئی حدیث کا انکار کرتا ہے، اس دلیل کی بنیاد پر کہ وہ بعد میں مدون کی گئی، یا اگر وہ حدیث کی کسی کتاب پر اعتراض کرتا ہے یعنی کسی راوی کی روایت پر، کیونکہ یہ حدیث کی بابت نہ صرف ایک سخت غلطی اور لاعلمی ہے (جیسا کہ ماقبل میں گزر گیا) بلکہ یہ اسلام کو چھوڑنے کی دعوت بھی ہے، کیونکہ حدیث پر ایمان بھی قرآن پر ایمان کی طرح ہے، جس طرح قرآن کے انکار کی وجہ سے کوئی کافر ہو جاتا ہے اسی طرح حدیث کے

Beacon of Knowledge

انکار کرنے کی وجہ سے بھی شخص کافر ہو جائے گا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ پوری شریعت یا تو قرآن کریم میں موجود ہے یا پھر حدیث میں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ''سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس جیسی دوسری چیز بھی دی گئی ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا کہ آپ اس کو لوگوں کے لئے واضح کر کے بیان کریں۔ اور احادیث ہی قرآن کی تشریح ہے اور اسکے علاوہ اس میں از سر نو شریعت سازی بھی ہے۔ اس لئے حدیث میں شک پیدا کرنا اسلام میں شک پیدا کرنے کے مترادف ہے، اور حدیث چھوڑنے کی دعوت دینا یا اس کو قبول کرنے پر تحفظات کا شکار ہونا اسلام کو چھوڑنے یا اس کو عمل میں لانے پر تحفظات کرنا ہے، اس لئے مسلمانوں میں جو ایسا کرتا ہے اس کے ساتھ مرتد والا معاملہ کیا جائے گا۔

مسلمانوں کے ہاں قرآن کریم کے بارے میں ثابت شدہ حقائق:

۱۔ قرآن کریم نبی کریم ﷺ سے نسل در نسل تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

۲۔ اسلامی تعلیم کے مختلف شعبوں میں تالیف شدہ کتابوں کی ان کے مصنفین کی طرف نسبت فی الجملہ بدیہی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ ہمیں یقینی اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ صحیح بخاری امام محمد بن اسماعیل بخاری کی تصنیف ہے اور یہ کہ مسلمانوں میں نسل در نسل وہی کتاب چلی آرہی ہے، اختلاف تو اس کی کچھ جزئی تفصیلات میں ہے۔

Beacon of Knowledge

۳۔ جھوٹ بولنے والے اور تحریف کرنے والے اس بات سے تو مایوس ہو گئے کہ وہ ان کتابوں میں اپنی طرف سے کچھ داخل کریں۔ کیونکہ کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ فقہاء کی کتابوں میں وہ چیزیں شامل کریں جو ان کا مذہب نہیں ہے، مثلاً امام نوویؒ کی ''المنہاج'' نامی کتاب میں یہ مسئلہ شامل کرے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زمین سے حاصل شدہ پیداوار میں نصاب کی شرط نہیں، یا احناف کی کتابوں میں کوئی ایسا مسئلہ شامل کرے یا ''زیدیوں'' کی کتاب ''اللمع'' میں کوئی ایسا مسئلہ ڈالیں جو ان کا مذہب نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص نحو کی درسی کتابوں میں کوئی بات اپنی طرف سے اضافہ نہیں کر سکتا ہے جو اصل میں ان میں نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ صحیح بخاری میں ''شہاب'' وغیرہ کی حدیثیں شامل کریں اور وہ حفاظ حدیث کے ہاں جاری بھی ہو جائیں۔ گر اس معاملے کو بعض جاہل حافظوں کے حق میں مانا بھی جائے تو حق بات کے واضح ہونے میں دیر نہیں لگتی ہے۔

عالم اسلام کے شام، عراق، مراکش، جزیرہ عرب، مصر اور برصغیر میں طالب علم آج بھی اسلامی علوم کے ہر شعبہ کی اکثر اہم کتب اپنی مصنفین کی سند سے روایت کرتے ہیں۔

۵۔ حدیث کے نام پر جو بھی متون نقل کئے گئے، حدیث صحیح کے مکررات کے بغیر، خواہ وہ حسن ہو، ضعیف، موضوع، منقطع یا مرسل کوئی بھی قسم ہو وہ مبالغہ کر کے بھی پچیس ہزار متن سے زیادہ نہیں ہے۔

۶۔ صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) تکرار کے بغیر حدیثوں کی تعداد (2980) ہے۔ یعنی تین ہزار سے کچھ کم۔

ابو داود کی انفرادی احادیث جو صحیحین میں نہیں ہیں وہ مکررات کے بغیر (2450) ہیں۔

جبکہ سنن ترمذی کی وہ احادیث جو صحیحین اور سنن ابو داود میں نہیں ہیں ان کی تعداد (1350) ہے۔

جبکہ سنن نسائی کی وہ احادیث جو مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ہیں ان کی تعداد مکررات کے بغیر (2400) ہے۔

اس حساب سے سنن کی ان چار کتابوں کی وہ احادیث جو صحیحین میں نہیں ہیں کی تعداد (6200) ہے یعنی پانچ بنیادی کتابوں (جو تقریباً ساری احادیث صحیحہ کو شامل ہیں) وہ (9180) ہے جن میں اکثر ضعیف ہے۔

اور ابن ماجہ کی انفرادی احادیث جو ما قبل کی ذکر دہ کتابوں میں نہیں ہے (600) مرفوع احادیث ہیں۔ جن میں پانچ سو سے زیادہ ضعیف ہے۔

جبکہ ''نیل الاوطار'' کی انفرادی احادیث (جن میں اکثر بعد میں آنے والے فقہاء کے ہاں مشہور ہیں اور سنن دار قطنی اور معجم طبرانی سے لی گئی ہیں) اس کی تعداد پانچ سو مرفوع احادیث ہیں۔

جبکہ مسند امام احمد بن حنبلؒ کی انفرادی احادیث جو ما قبل کی کتابوں میں نہیں ہے وہ مکرر کے بغیر اور ایسی احادیث کے بغیر جن کی شاہد حدیثیں دوسری کتابوں میں نہیں ہے ان کی تعداد (1500) ہے۔

اس سارے حساب سے واضح ہوا مشہور کتابوں میں لکھی ہوئی احادیث کی تعداد (11830) متن ہے۔

اس نتیجہ کا ثبوت اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ امام محمد بن محمد بن سلیمان المغربی دمشقی (1039-1094ھ) کی کتاب ''جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد'' جس میں انہوں نے حدیث کی چودہ کتابیں جمع کی ہیں، (یعنی: ۱۔ صحیح بخاری، ۲۔ صحیح مسلم۔ ۳۔ سنن ترمذی، ۴۔ سنن نسائی، ۵۔ سنن ابو داود، ۶۔ موطا امام مالک، ۷۔ معجم طبرانی کبیر، ۸۔ معجم طبرانی اوسط، ۹۔ معجم طبرانی صغیر، ۱۰۔ مسند ابی یعلی موصلی، ۱۱۔ مسند بزار، ۱۲۔ مسند احمد، ۱۳۔ سنن دارمی، ۱۴۔ سنن ابن ماجہ) زوائد زرین کے ساتھ، ان سب کی کل تعداد 10131 متون ہیں۔

Beacon of Knowledge

۷۔ صحیح اور حسن متون کی تعداد تکرار کے بغیر (4400) سے (7000) کے درمیان ہے، اس میں فرق علمائے حدیث، فقہ اور توحید کے ہاں حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینے میں ان کے انداز کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ جبکہ وہ حدیثیں جو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کی ہیں ان کی تعداد تکرار کے بغیر (2980) ہے۔

۸۔ منکرین حدیث کے جھوٹ اور افتراء پردازی کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے عظیم صحابی حضرت ابو ہریرہؓ پر حملہ آور ہوئے ہیں اور انہیں نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی احادیث منسوب کرنے کا الزام دیا ہے۔ حالانکہ اگر ہم تلاش تلاش و تتبع کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً آٹھ سو سے زیادہ صحابہ و تابعین نے ان سے روایت کی ہے جو سب کے سب بااعتماد ہیں، اسی طرح حدیث کی چھ کتابوں میں جب تلاش کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی ساری حدیثوں کی تعداد (5374) ہے، جب ہم ان میں مکرر حدیثیں ڈھونڈتے ہیں تو ہمیں (4074) احادیث مکرر ملتی ہیں، اس حساب سے غیر مکرر روایات صرف

تیرہ سو بچتی ہیں، پھر جب ہم اس تعداد پر غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ متعدد صحابہؓ نے یہی روایات حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے کے بغیر اپنے ذریعہ سے روایت کی ہیں۔

یہ بات ایک طرف رکھ کر اگر ہم صحاح ستہ میں سے ان احادیث کو حذف کریں جو حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ کسی اور کے ذریعہ سے منقول ہوں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ احادیث جنہیں صرف حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے وہ دس سے بھی کم احادیث ہیں۔ اس سے حضرت ابو ہریرۃ کی امانت، حدیث شریف کی روایت میں ان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اور ان پر جو الزام لگایا گیا ہے اس سے ان کی براءت ظاہر ہوتی ہے۔

جب ہم حدیث کی نو مشہور کتابوں میں حضرت ابو ہریرۃ کی احادیث تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ان کتابوں میں ان کی طرف منسوب احادیث کی تعداد (8960) ملتی ہے جن میں سے (8510) سند متصل کے ساتھ ہیں جبکہ (450) منقطع سند کے ساتھ ہیں۔ ان میں سے مکرارات حذف کرنے کے بعد باقی احادیث کی تعداد (1475) بچتی ہے، جس میں ان کے ساتھ دیگر صحابہؓ بھی شریک ہیں۔

جب ہم ان احادیث کو بھی نکال لیں جو حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ دوسرے صحابہؓ نے بھی روایت کی ہے تو اس کے بعد ہم ایک اہم حقیقت تک پہنچتے ہیں وہ کہ حدیث کی "نو" اہم کتابوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی اس طرح کی مرویات مکررات کے ساتھ صرف 253 ہے جبکہ انہی احادیث میں (سے جو صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے ہیں) مکررات نکالنے کے بعد باقی حدیثیں صرف بیالیس (42) بچ جاتی ہیں۔

Beacon of Knowledge

یہ نتائج ان تمام شبہات اور بے بنیاد الزامات کو ختم کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ پر لگائے گئے ہیں، اور جن کی بنیاد پر یہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی روایتیں زیادہ نقل کی ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اکیلے آٹھ ہزار یا بقول بعض پانچ ہزار احادیث نقل کی ہیں، حالانکہ اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے واضح ہوا کہ یہ محض ایک بے پر کی اڑائی گئی ہے جس کے لئے نہ صحیح اعداد و شمار کو سامنے رکھا گیا ہے اور نہ ہی گہرائی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ (نوٹ: حدیث کی چھ کتابوں سے مراد درج ذیل کتابیں ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابو داود، سنن ابن ماجہ۔ جبکہ جب ہم کہتے ہیں کہ حدیث کی "نو" اہم کتب تو ان سے مراد درج ذیل نو کتابیں ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابو داود، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند دارمی، اور مسند امام احمد بن حنبلؒ)

خاتمہ:

ایک زمانے سے آج تک امت مسلمہ میں اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے، زندگی سے اس کا رشتہ کاٹنے اور اسے یہودیت وعیسائیت کی طرح محض ایک عقیدہ بنانے کی غرض سے اسلام سے سیاسی صفت ہٹانے کے لئے احادیث مطہرہ کی حجیت کا انکار کرنے کی جو فکری لہر چل پڑی ہے وہ درحقیقت گریٹر مشرق وسطی کے منصوبے کا ایک حصہ، اسلام اور کفر کے درمیان جاری

کشمکش کا ایک باب ہے۔ جس سے ان کا واضح مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو اس موڑ تک پہنچایا جائے جہاں دین کو دنیاوی معاملات سے یکسر لاتعلق قرار دیا جائے، جس کے لئے وہ اسلام کو کفار (جن میں سر فہرست امریکا ہے اور تمام یورپی ممالک اس ایجنڈے میں اس کے ہمنوا ہیں) کے ہاں پسندیدہ سیاسی رنگ میں ڈھالنے کے لئے جمہوریت اور اسلام کو زندگی سے ختم کرنے کے نعرے لگاتے ہیں۔ جس سے یہ بات مزید پختہ تر ہو جاتی ہے کہ یہ لہر در حقیقت اسلام کو ختم کرنے اور جڑ سے اکھیڑنے کے لئے تشکیل دی گئی ہے۔ نیز اس سے اس منصوبے کا گریٹر مشرق وسطیٰ کے نعروں کے ساتھ باہمی ربط بھی واضح ہو جاتا ہے تاکہ مسلمانوں میں گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی سے جو بیداری کی لہر اٹھی ہے اور ان میں راسخ ہو گئی ہے اس عمومی آگہی کی لہر کو ختم کیا جائے۔

لہذا ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے اس عقیدے پر کاری ضرب لگائے جس کی رو سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس سے نظام زندگی کی کرنیں پھوٹتی ہیں، جو ہر زمانے میں زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور جس کی روشنی میں آج کے مسلمانوں کو درپیش مشکلات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے اور یہ کہ آج بھی ایسی اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے جو ان اصولوں کو نافذ کر کے انہیں جہاد کے ذریعہ پوری دنیا تک پہنچائے۔

اس وجہ سے ہمیں وہ تجدید اور علمی ورثہ کی تطہیر کے نعروں ہر اسلام کے قانونی اور علمی خزانے پر حملہ کرتے نظر آتے ہیں، یہ سارے مشکوک نعرے جس میں بظاہر حرص اور غیرت ہے، لیکن حقیقت میں دھوکہ دہی اور تحریف ہے ان کا اصل مقصد اسلام کو خارجی دنیا کے تابع بنانا ہے، لہذا ان کی دعوت کی حقیقت خود وحی کا انکار یا معاشرے اور حکومت کے ساتھ اس کے تعلق کا انکار ہے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ قرآن یقینی طور پر نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اسی طرح اس کا وحی ہونا بھی یقینی ہے تو اس کی وجہ سے اسلام یہودیت اور عیسائیت سے ممتاز ہو گیا، اس وجہ سے انہیں قرآن کے انکار کی ہمت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے انکار حدیث کو اپنا ہدف بنایا۔ ان کا یہ گمان تھا کہ حدیث اسلام کا ایک کمزور پہلو ہے اس پر حملہ آور ہو کر وہ مسلمانوں کا ایمان ویقین متزلزل کر سکیں گے جس کے بعد وہ اسلام کو ایک نظام زندگی سمجھنے اور اس کو ایک ایسے ملک میں جاری کرنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جائیں جو ملک اسلام کی بنیاد (یعنی قرآن وحدیث) پر تشکیل پایا ہو اور جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات کے حل پر قادر ہو۔

اپنا مقصد پانے کے لئے انہوں نے قرآن وسنت کے سمجھنے کے لئے مقررہ معیارات معطل کر کے رکھ دیئے، خود کو عربی زبان کے قواعد، اسباب نزول، فقہ اور اصول فقہ کے قاعد اور تفسیر کے لئے درکار مطلوبہ ذرائع سے خود کو آزاد کر لیا، نیز انہوں نے یہ خیال قائم کیا کہ قرآن کریم کے لئے کسی تشریح وتفسیر کی ضرورت نہیں ہے تاکہ پھر وہ تدبر کے نام سے اپنی خواہش کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کر سکیں۔

اس طریقہ کار سے انہوں نے گزشتہ سے پیوستہ صدی کے آخر اور گزشتہ صدی کے شروع میں مستشرقین کا جو طریقہ کار تھا اس کی پیروی کی، بلکہ یہ بھی در حقیقت مستشرقین کے تابع ہیں، انہوں نے اس طریقہ کار کی روشنی میں وحی سے ثابت شدہ

Beacon of Knowledge

شرعی احکام تک تبدل کر دیئے، جہاد کو دفاعی جنگ کا نام دیا، سود اور بے پردگی کی اجازت دی، حدود کو معطل اور اللہ کے دین کو تبدیل کر دیا۔

ہم نے اگرچہ ان کے شکوک وشبہات زائل کر کے دلیل سے ان کا دعوی باطل کر دیا اور اسلام اور مسلمانوں پر ان کے خطرے کو واضح کر دیا، جسے اسلام سے ادنیٰ تعلق رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے، مگر عوام الناس سے قبل امت کے خواص پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس خبیث نعرے کا مقابلہ کرے اور اسے جڑ سے اکھیڑ دے، کیونکہ یہ پوری امت، اس کے دین اور اس کے مستقبل لئے بڑا خطرہ ہے۔

ہم امت، بالخصوص علماء، مفکرین اور دانشوران کو دعوت دیتے ہیں وہ کہ اس چھوٹی سے کتاب کا مطالعہ کر کے اسمیں پیش کردہ افکار کی روشنی میں اس گروہ کے لوگوں کا مقابلہ کرے، خواہ اس گروہ کے وہ لوگ ہو جنہیں گمراہ کر دیا گیا ہے یا جو خود بھی گمراہ ہیں اور وہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کا مقابلہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ان کی دعوت جس بنیاد پر قائم ہے اس بنیاد کو ختم کیا جائے، وہ بنیاد انکار حدیث ہی ہے جو ان کی بنیادی فکر اور ان کے فلسفے کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اب اس موضوع پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے کہ دلائل سے حدیث کی حجیت ثابت کر کے اس کی ضرورت واہمیت واضح کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کے باطل شبہات کا خود بخود دفعیہ ہو جائے۔

Beacon of Knowledge

الحمد للہ رسالہ مکمل ہو گیا۔

یکم رمضان سن ۱۴۴۲

مطابق 13/4/2021

فہرست

حدیث کے خلاف مہم کا پس منظر	۴
اسلام اور کفر کے درمیان کشمکش کی حقیقت	۵
ابتداء اور بنیادیں	۷
قرآن کریم سمجھنے کے لئے منکرین حدیث کا انداز	۸
قرآن کریم سمجھنے کے لئے صحیح طریقہ کار	۹
منکرین حدیث کی تحریفات	۱۲
نبی اور رسول کے درمیان اطاعت اور اتباع میں فرق کا من گھڑت نظریہ	۱۲
تبلیغ میں معصوم ہونے کا عقیدہ نبی اور رسول دونوں کو شامل ہے، کیونکہ دونوں اللہ کی طرف سے اس کے احکام پہنچاتے ہیں	۲۱
نبی کریم ﷺ کے افعال	۲۴
نبی کریم ﷺ کے حق میں اجتہاد کا قول اختیار کرنا جائز نہیں	۲۹
قرآن کریم کا تاریخی پس منظر میں مطالعہ	۳۱
حجیت حدیث	۴۳
قرآن کریم کے لئے سنت کا مقام و مرتبہ	۵۰
حدیث دلیل کے لئے قابل قبول کب ہوتی ہے؟	۵۶
خبر علم تک پہنچنے کے معتبر ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔	۶۱
تدوین حدیث	۶۵
مسلمانوں کے ہاں ثابت شدہ حقائق	۷۴
خاتمہ	۷۶

Beacon of Knowledge